اِنَّ هٰذَا الْقُرآنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ۔ (القرآن)

''بلاشبہ یہ قرآن اس راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے۔''

دعوۃ القرآن

جلد دوم

تفسیر سورۂ روم تا سورۂ ناس

(پارہ ۲۱ تا ۳۰)

مولانا شمس پیرزادہ رحمۃ اللہ علیہ

ادارہ دعوۃ القرآن

۵۹ محمد علی روڈ ممبئی ۴۰۰۰۰۳

فون: ۲۳۴۶۵۰۰۵

مجلد چھٹواں ایڈیشن ۱۰۰۰

مارچ سنہ ۲۰۱۳ء

ہدیہ ۴۵۰/- روپے

فہرست

نمبر سورہ	نام سورہ	صفحہ نمبر	نمبر سورہ	نام سورہ	صفحہ نمبر
۳۰	سورۂ روم	۱	۵۰	سورۂ ق	۵۱۸
۳۱	سورۂ لقمان	۳۲	۵۱	سورۂ ذاریات	۵۳۵
۳۲	سورۂ سجدہ	۵۱	۵۲	سورۂ طور	۵۵۲
۳۳	سورۂ احزاب	۶۳	۵۳	سورۂ نجم	۵۶۸
۳۴	سورۂ سبا	۱۱۵	۵۴	سورۂ قمر	۵۸۶
۳۵	سورۂ فاطر (ملائکہ)	۱۴۴	۵۵	سورۂ رحمن	۶۰۰
۳۶	سورۂ یٰس	۱۶۷	۵۶	سورۂ واقعہ	۶۱۷
۳۷	سورۂ صافات	۱۹۷	۵۷	سورۂ حدید	۶۳۶
۳۸	سورۂ ص	۲۳۲	۵۸	سورۂ مجادلہ	۶۵۸
۳۹	سورۂ زمر	۲۶۳	۵۹	سورۂ حشر	۶۷۲
۴۰	سورۂ مؤمن (غافر)	۲۹۸	۶۰	سورۂ ممتحنہ	۶۹۱
۴۱	سورۂ حٰم سجدہ (فصلت)	۳۲۸	۶۱	سورۂ صف	۷۰۳
۴۲	سورۂ شوریٰ	۳۶۱	۶۲	سورۂ جمعہ	۷۱۴
۴۳	سورۂ زخرف	۳۹۱	۶۳	سورۂ منافقون	۷۲۴
۴۴	سورۂ دخان	۴۱۹	۶۴	سورۂ تغابن	۷۳۳
۴۵	سورۂ جاثیہ	۴۳۳	۶۵	سورۂ طلاق	۷۴۰
۴۶	سورۂ احقاف	۴۴۶	۶۶	سورۂ تحریم	۷۵۶
۴۷	سورۂ محمد	۴۶۲	۶۷	سورۂ ملک	۷۶۷
۴۸	سورۂ فتح	۴۸۰	۶۸	سورۂ القلم	۷۷۸
۴۹	سورہ حجرات	۵۰۳	۶۹	سورۂ الحاقہ	۷۹۳

نمبر سورہ	نام سورہ	صفحہ نمبر	نمبر سورہ	نام سورہ	صفحہ نمبر
۷۰	سورۂ معارج	۸۰۱	۹۳	سورۂ ضحیٰ	۱۰۰۶
۷۱	سورۂ نوح	۸۱۰	۹۴	سورۂ الم نشرح	۱۰۱۳
۷۲	سورۂ جن	۸۲۲	۹۵	سورۂ التین	۱۰۱۸
۷۳	سورۂ مزمّل	۸۳۴	۹۶	سورۂ علق	۱۰۲۵
۷۴	سورۂ مدّثر	۸۴۴	۹۷	سورۂ قدر	۱۰۳۱
۷۵	سورۂ قیامہ	۸۵۷	۹۸	سورۂ بیّنہ	۱۰۳۷
۷۶	سورۂ انسان (دھر)	۸۶۵	۹۹	سورۂ زلزال	۱۰۴۳
۷۷	سورۂ مرسلٰت	۸۷۶	۱۰۰	سورۂ عادیات	۱۰۴۷
۷۸	سورۂ نبا	۸۸۹	۱۰۱	سورۂ قارعہ	۱۰۵۱
۷۹	سورۂ نازعات	۸۹۷	۱۰۲	سورۂ تکاثر	۱۰۵۵
۸۰	سورۂ عبس	۹۰۸	۱۰۳	سورۂ عصر	۱۰۵۹
۸۱	سورۂ تکویر	۹۱۶	۱۰۴	سورۂ ہمزہ	۱۰۶۳
۸۲	سورۂ انفطار	۹۲۷	۱۰۵	سورۂ فیل	۱۰۶۸
۸۳	سورۂ مطففین	۹۳۲	۱۰۶	سورۂ قریش	۱۰۷۵
۸۴	سورۂ انشقاق	۹۴۱	۱۰۷	سورۂ ماعون	۱۰۸۰
۸۵	سورۂ بروج	۹۴۹	۱۰۸	سورۂ کوثر	۱۰۸۶
۸۶	سورۂ طارق	۹۵۶	۱۰۹	سورۂ کافرون	۱۰۹۳
۸۷	سورۂ اعلیٰ	۹۶۲	۱۱۰	سورۂ نصر	۱۰۹۸
۸۸	سورۂ غاشیہ	۹۷۰	۱۱۱	سورۂ لہب	۱۱۰۳
۸۹	سورۂ فجر	۹۷۹	۱۱۲	سورۂ اخلاص	۱۱۰۸
۹۰	سورۂ بلد	۹۸۸	۱۱۳	سورۂ فلق	۱۱۱۵
۹۱	سورۂ شمس	۹۹۵	۱۱۴	سورۂ ناس	۱۱۲۳
۹۲	سورۂ لیل	۱۰۰۱	انڈکس		۱۱۲۸

تصاویر

اور

نقشہ جات

روم اور فارس	٦
غزوۂ خندق کا نقشہ	۷۳
سبا کے ڈیم سدِ مآرب کے آثار (۱)	۱۳۱
سدِّ مآرب کے آثار (۲)	۱۳۲
سدِّ مآرب کے آثار (۳)	۱۳۳
مدینہ اور حدیبیہ کے درمیان راستہ	۴۸۳
خیبر کا محلِ وقوع	۴۹۱
قومِ ہود اور قومِ ثمود کا مسکن	۹۷۸
غارِ حراء	۱۰۳۰
مصحفِ عثمانی	۱۰۴۲
خانہ کعبہ پر ابرہہ کی فوج کشی	۱۰۷۴
بیت اللہ	۱۰۷۵
قریش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلۂ نسب	۱۰۷۹

قرآن کا مطالعہ کرنے والوں سے ۔۔۔۔

قرآن اس آسمان کے نیچے وہ واحد کتاب ہے جو اپنے موضوع، مقصد، مضامین کی ترتیب، جملوں کی ساخت اور طرز بیان کے لحاظ سے انسان کی تصنیف کردہ کتابوں سے بالکل مختلف اور ممتاز ہے۔ یہ لفظاً لفظاً (Word to Word) فرمانروائے کائنات کا کلام ہے، جو اس کے رسول حضرت محمد ﷺ پر ۲۳ رسال کے عرصہ میں (۶۱۰ء تا ۶۳۲ء) مکہ اور مدینہ میں نازل ہوا تھا۔ اس میں اللہ تعالیٰ خود انسان سے مخاطب ہے اور اس پر ہدایت کی راہ واضح کر رہا ہے۔

مگر اس سے ہدایت پانے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی صاف ذہن سے اس کا مطالعہ کرے۔ اور قبول حق کے لئے اپنے دل و دماغ کے دروازوں کو کھلا رکھے۔ تعصّبات، ذہنی تحفظات (Mental Reservation) اور متاثر ذہن (Prejudiced Mind) وہ حجابات ہیں، جو فہم قرآن کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔

اس کتاب کو انسانی کتابوں کی سطح پر پرکھنا، اور اس کے مندرجات کو انسان کے خود ساختہ اصولوں اور پیمانوں سے ناپنا وہ بنیادی غلطی ہے، جو انسان کو غلط رخ پر ڈال دیتی ہے۔

یہ کتاب ایک ایسی ہستی کا کلام ہے، جو صاحب حکمت ہے۔ اس لئے اس کی ہر آیت پُر مغز اور اس کی ہر بات حکیمانہ ہے، گو اس کی تفسیر لکھنے والے پر یا اس کا مطالعہ کرنے والے پر قصورِ فہم کی بناء پر اس کی حکمتیں پوری طرح واضح نہ ہو سکی ہوں۔

جہاں تک ربط آیات کا تعلق ہے، اگرچہ تارے آسمان میں بکھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں مگر وہ اپنے کہکشائی نظام سے مربوط ہوتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کی آیتیں اپنی اپنی سورتوں کے نظام سے مربوط ہیں۔ اور کبھی کبھی تو یہ ربط اتنا خفی ہوتا ہے کہ تدبر کرنے ہی سے سمجھ میں آتا ہے۔ نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ کتنی آیتوں کے درمیان ربط کی صورت وہ حالات ہوتے ہیں، جن میں ان کا نزول ہوا ہے۔ ان میں علمی ربط تلاش کرنے کے بجائے ان کا پس منظر معلوم کرنا چاہئے، جس نے ان کو مربوط کیا ہے۔

رہی مضامین کی تکرار تو یہ ایسا ہی ہے، جیسا بادلوں کی گرج، جس کی کثرت اپنے ساتھ باران رحمت لاتی ہے۔ اصل میں قرآن اس طرح کی کوئی علمی کتاب نہیں ہے، جس طرح کی علمی کتابیں انسان مرتب کرتا ہے۔ اور جس میں عنوانات قائم کر کے ہر عنوان پر الگ الگ بحث کی جاتی ہے۔ بلکہ وہ دعوتی، تعلیمی، تذکیری، اصلاحی اور تربیتی کتاب ہے، جو شریعت کے احکام بھی بیان کرتی ہے، اور عملی زندگی میں رہنمائی بھی کرتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ علم و حکمت کے موتی بھی بکھیرتی ہے۔ اس لئے اگر اس میں ایک سبق کو بار بار دہرایا گیا ہے، تو یہ انسان کی اپنی فکری و عملی تربیت کے پیش نظر ہے۔ جب کہ قرآن کا مقصد ہی کردار سازی اور مخصوص اوصاف کے انسان تیار کرنا ہے۔ پھر ایک مضمون کو سو رنگ میں باندھنا حکیمانہ اور بلیغ کلام کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس لئے اس کو محض تکرار خیال کرنا کوتاہ فہمی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ کلام الٰہی کا یہی انداز سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی رہا ہے۔ چنانچہ زبور میں توحید اور اللہ کی حمد و ثناء کا مضمون بہ کثرت دہرایا گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسانی ہدایت کے لئے، جب کبھی کلام الٰہی نازل ہوا ہے اس کی لَے ایک ہی رہی ہے۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

عرض ناشر

(از۔ محمد صدیق قریشی۔ سیکریٹری ادارہ دعوۃ القرآن)

اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے تفسیر **دعوۃ القرآن** کی تیسری جلد (نئے ترتیب کے ساتھ دوسری جلد) جو سورۂ روم تا سورۂ ناس (آخری دس پاروں) پر مشتمل ہے کا چھٹواں ایڈیشن پیش کرنے کی مہلت اور سعادت بخشی۔ قرآن کریم کی جس خدمت کیلئے ادارہ کی تاسیس ہوئی تھی اس کیلئے اُس نے راہیں کھول دیں اور اپنے فضل سے اس طرح نوازا کہ **تفسیر دعوۃ القرآن** کو اردو کے علاوہ مراٹھی، گجراتی، انگریزی اور ہندی زبانوں میں بھی پیش کرنا ہمارے لئے ممکن ہوا۔ پہلی چار زبانوں میں نہ صرف متعدد اجزاء شائع ہو گئے بلکہ ان کے متعدد ایڈیشن بھی۔ البتہ آخر میں ہندی زبان میں مکمل تفسیر تین جلدوں میں منظر عام پر آئی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب پانچوں زبانوں میں یہ تفسیر مکمل طور پر تین تین جلدوں میں شائع ہو رہی ہے۔

مختلف حلقوں کی طرف سے اس تفسیر کی جو قدر دانی ہو رہی ہے اور جس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اس کو ہم اللہ رب العزت کا فضل خاص سمجھتے ہیں اور اس کی اشاعت کے کام میں مزید فضل کے امیدوار ہیں۔

ادارہ دعوۃ القرآن ایک رجسٹرڈ ٹرسٹ ہے جس کا اولین مقصد قرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیر کو مختلف زبانوں میں شائع کرنا اور اسے وسیع پیمانہ پر پھیلانا ہے تاکہ قرآن کی دعوت اور اس کا پیغام مسلمانوں میں بھی اور غیر مسلموں میں بھی زیادہ سے زیادہ لوگوں تک بہ آسانی پہنچ سکے۔ اس مقصد کے پیشِ نظر کتابوں کا ہدیہ کم رکھا جاتا ہے اور خسارہ کی اس اسکیم کو چلانے میں جو اصحابِ خیر معاون بنتے ہیں وہ قرآن کریم کی ایک ایسی خدمت میں شریک ہوتے ہیں جو وقت کا ابھرتا ہوا تقاضا ہے۔

اس تفسیر کی طباعت میں ایک خاص سسٹم کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ایک جانب عربی متن اور اردو ترجمہ درج ہے اور اس کے سامنے کے صفحہ پر تفسیری نوٹ۔ اگر نوٹ کے لئے ایک صفحہ ناکافی ہوا ہے تو اس سے متصل صفحات پر بقیہ نوٹ دئے گئے ہیں۔ اس طریقہ کو اختیار کرنے کی وجہ سے کہیں کہیں صفحات خالی چھوڑنے پڑے ہیں مگر حسن ترتیب کی وجہ سے مطالعہ کرنے والوں کے لئے بڑی سہولت ہو گئی ہے۔ جو لوگ اس سسٹم کو نگاہ میں نہیں رکھتے وہ خالی صفحات کو دیکھ کر خیال کرنے لگتے ہیں کہ بلا وجہ ایسا ہوا ہے۔

اس تفسیر کے مرتب ہمارے دیرینہ رفیق **مولانا شمس پیرزادہ** ہیں جو ادارہ **دعوۃ القرآن** کے چیرمن بھی تھے۔ ۴ر جولائی **۱۹۹۹ء** کو مختصر سی علالت کے بعد اللہ کو پیارے ہو گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ جس طرح اُنہوں نے قرآن کی روشنی کو دنیا میں پھیلانے کی کوشش کی، ہماری دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اُسی طرح ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور آخرت میں اس کا بہترین اجر عطا فرمائے آمین۔

ادارہ اگرچہ مرحوم کی سرپرستی سے محروم ہو گیا ہے لیکن انشاء اللہ ان کے چھوڑے ہوئے سرمایۂ علم کو عوام تک پہنچانے کی برابر کوشش کرتا رہے گا۔ وہیں قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ اس کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے میں ہمارا تعاون فرمائیں۔ ہم اس بات کے لئے بھی دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی خدمت کی ہمیں بیش از بیش توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

حمد کا مستحق اللہ ہی ہے، جس کے فضل خاص سے تفسیر دعوۃ القرآن کی تکمیل ہوئی۔ اور اب ہم اس کی تیسری (نئے ترتیب کے ساتھ دوسری جلد) اور آخری جلد قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ تفسیر لکھنے کا آغاز ۱۳۹۶ھ (۱۹۷۶ء) میں ہوا تھا اور تکمیل رمضان ۱۴۱۴ھ (۱۹۹۴ء) میں ہوئی۔ یعنی فہم قرآن کی راہ میں مسلسل اٹھارہ سال کے تدبر اور تفکر کا یہ ماحصل ہے۔ قرآن کی ایک ایک آیت، اس کا ایک ایک لفظ، یہاں تک کہ اس کے حروف بھی اس بات کے متقاضی ہوئے کہ ان پر سے سرسری طور سے نہ گزرا جائے، بلکہ غور و فکر کا حق ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور قرآن کو ترتیل کے ساتھ (ٹھہر ٹھہر کر) پڑھنے کے حکم کی تعمیل تفسیر کے معاملہ میں بھی کی جائے، تاکہ آیات کی صحیح تاویل ہو، ان کے مخفی پہلو روشن ہوں اور حکمت کے موتیوں سے ہم اپنا دامن بھر لیں۔ اس تفسیر کے قدر دانوں کو یقیناً طویل عرصہ تک انتظار کی زحمت گوارا کرنی پڑی۔ لیکن کام کی نوعیت کے پیش نظر جو وقت اس میں صرف ہوا وہ ناگزیر تھا۔

جس وقت اس تفسیر کا آغاز ہوا تھا اور اس کے کچھ اجزاء شائع کر دئے گئے تھے، اس وقت ہر طرف سے یہ سوال اٹھ رہا تھا کہ اردو میں جب متعدد تفسیریں موجود ہیں، تو مزید تفسیر کی ضرورت کیوں پیش آ رہی ہے؟ ہمارے لئے اس وقت لوگوں کو مطمئن کرنا مشکل تھا، تاہم تفسیر کے مقدمہ میں ہم نے بعض اشارات کر دئے تھے۔ اور جوں جوں تفسیر کے اجزاء شائع ہوتے رہے، اللہ کے فضل سے افادیت کا پہلو واضح ہوتا رہا۔ اور اب جب کہ یہ کام تکمیل کو پہنچ چکا ہے، قارئین خود رائے قائم کر سکتے ہیں کہ آیا، یہ کام کسی ضرورت کے تحت انجام پایا ہے یا بلا ضرورت۔ ہمیں اس پر اب کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

اس تفسیر میں ہم نے درج ذیل باتوں کو خصوصیت کے ساتھ پیش نظر رکھا ہے:۔

ایک یہ کہ جو بات بھی لکھی جائے تحقیق کی کسوٹی پر جانچ کر لکھی جائے۔ نہ تو کسی مسلک کی پابندی قبول کی جائے اور نہ اسے کسی مکتبۂ فکر کی ترجمانی کا ذریعہ بنایا جائے۔

دوسرے یہ کہ قرآن کہ تشریح و تعبیر میں سنت کا جو مقام ہے، اس کو سختی کے ساتھ ملحوظ رکھا جائے۔ چنانچہ جا بجا احادیث صحیحہ کو نقل کیا گیا ہے۔ البتہ جو روایتیں قرآن کے بیان سے متصادم ہیں، یا مطابقت نہیں رکھتیں، یا جن سے عصمتِ انبیاء پر حرف آتا ہے، ان کو تفسیر میں شامل کرنے سے احتراز کیا گیا ہے۔ اور جہاں ضرورت داعی ہوئی، ایسی روایتوں پر تنقید بھی کی گئی ہے، خواہ اسناد کے اعتبار سے ان کا شمار احادیث صحیحہ ہی میں کیوں نہ ہوتا ہو! کیوں کہ رسول کا کوئی ارشاد قرآن کے خلاف ہو نہیں سکتا۔ عربی تفاسیر میں جو الم غلم روایتیں نقل ہوئی ہیں، وہ فہم قرآن کی راہ میں زبردست رکاوٹ کا باعث بن گئی ہیں۔

تیسرے یہ کہ قرآن کی اصل دعوت کو، موجودہ مادہ پرستانہ اور باطل افکار پر ضربِ کاری لگاتے ہوئے، نمایاں کیا جائے، تاکہ مسلمانوں پر اللہ کی حجت واضح ہو جائے اور غیر مسلموں پر اس کی حجت قائم ہو جائے۔

چوتھے یہ کہ دعوت کا اپروچ (Approach) ٹھیٹھ قرآن کے مطابق اور انبیائی طریقے پر ہو۔ یعنی سادہ اور فطری ہونے کے علاوہ، خدا اور آخرت سے غافل انسانوں کو بیدار کرنے، اور آخرت کے عذاب سے خبردار کرنے والا ہو۔ قرآن میں اس کے نزول کا اولین مقصد انذار (خبردار کرنا) ہی بیان ہوا ہے۔

پانچویں یہ کہ قرآن کا مطالعہ کرنے والے کی توجہ سب سے پہلے، اپنے نفس کی طرف مرکوز ہو جائے۔ اور وہ قرآن کے آئینہ میں اپنی سیرت اور اپنے کردار کو دیکھ لے۔ تزکیۂ نفس اور اپنی فکری و علمی تربیت وہ اولین ذمہ داری ہے، جو قرآن اپنے مخاطب پر عائد کرتا ہے۔ اور اس بات کے لئے آمادہ کرتا ہے کہ وہ سب سے پہلے، اپنی نجاتِ اخروی کی فکر کرے۔ اس امتحان گاہ میں انسان کو اسی لئے کھڑا کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اندر اُن اوصاف کو پروان چڑھائے، جو اسے جنت کا مستحق بنا دیں۔ اس لئے اپنی ذاتی اصلاح کی طرف سے بے اعتنائی برت کر، اجتماعی اصلاح کی باتیں کرنا قرآن کے اصل ہدف کو نظر انداز کرنا ہے۔

چھٹے یہ کہ مسلمانوں کی فکری و عملی گمراہی پر، خواہ وہ بدعات و خرافات اور قبر پرستی کی نوعیت کی ہوں، یا مادہ پرستی کی نوعیت کی، سخت گرفت کی جائے، تاکہ توحید

کا تصور نکھر کر سامنے آجائے اور اصلاحِ عمل کی توفیق ہو۔

ساتویں یہ کہ غیر مسلموں پر، قرآن کی عظمت اور اس کے معجزانہ کلام ہونے کا پہلو واضح ہو جائے۔ کیوں کہ قرآن نے اپنے معجزہ ہونے کے پہلو کو بہت بڑی حجت قرار دیا ہے۔ لیکن غیر عربی داں لوگوں کو اس کا اندازہ اس کے پیش کردہ حقائق، اس کی تعلیمات، اس کی پیشین گوئیاں، اس کی وجدان کو اپیل کرنے والی باتوں اور عقل کو جلا بخشنے والی حکمتوں ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔ اس لئے ان باتوں کو وضاحت کے ساتھ مؤثر پیرایہ میں پیش کرنا ضروری ہے۔

آٹھویں یہ کہ قرآن انفرادی و اجتماعی زندگی کے لئے جو رہنمائی دیتا ہے، اور جس نہج پر اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے لئے نظام زندگی کو قائم کرنا چاہتا ہے، وہ اس طرح ابھر کر سامنے آجائے کہ دین کا صحیح تصور ذہن نشین ہو جائے۔ اور قرآن کے ارشادات سے روشنی حاصل کرتے ہوئے دورِ حاضر کے مسائل میں رہنمائی کا سامان ہو۔

نویں یہ کہ ذہنی اطمینان سے زیادہ قلبی اطمینان کا سامان کیا جائے۔ محض معلومات میں اضافہ خواہ وہ سائنسی ہوں یا تاریخی، نہ قرآن کا مقصود ہے اور نہ اس سے دلوں میں رقت پیدا ہوتی، جو نصیحت کو قبول کرنے کا باعث بنتی ہے۔ لہٰذا سائنسی انکشافات کو قرآن کے بیان کی تائید میں پیش تو ضرور کیا جائے، لیکن سائنس کو قرآن کا موضوع نہ بنایا جائے۔

اور دسویں یہ کہ قرآن کی روح (Spirit) کو پوری طرح ملحوظ رکھا جائے اور تفسیری مباحث میں اسے گم نہ ہونے دیا جائے۔

ان مقاصد میں ہمیں کہاں تک کامیابی ہوئی اس کا اندازہ تو قارئین ہی کر سکتے ہیں، لیکن جس حد تک بھی کامیابی ہوئی ہے وہ اللہ کی خصوصی عنایت ہی کا نتیجہ ہے، ورنہ راقم السطور کو اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا پورا احساس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کا کام نہایت مشکل اور بہت بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ لیکن جب میرے مخلص ساتھیوں نے جو ادارہ دعوۃ القرآن کے رکنِ رکین ہیں، راقم السطور پر یہ ذمہ داری ڈالی، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے نوازا۔ اور حدیث كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ (ہر شخص کیلئے وہ کام آسان کر دیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کر دیا گیا ہے) کے مطابق اس کی توفیق ہوئی۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر یہ بھی عرض کر دوں کہ طالب علمی کے زمانہ سے جب کہ میں ممبئی کے انجمن اسلام ہائی اسکول میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، میرا خاص موضوع قرآن ہی رہا۔ اور بعد میں سالہا سال تک قرآن کا درس دینے اور اس کا گہرا مطالعہ کرنے کے مواقع حاصل رہے۔ عربی بھی میں نے قرآن کا فہم حاصل کرنے ہی کیلئے سیکھی۔ اور قرآن ہی سے سیکھی۔ اور یہ اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے جس سے اس نے نوازا اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (رحمٰن نے قرآن سکھایا)۔

تفسیر دعوۃ القرآن کا اولین مقصد یہی ہے کہ قرآن کی دعوت، قرآن ہی کے ذریعہ بندگانِ خدا تک پہنچائی جائے۔ غیر مسلموں میں قبولِ حق کا جذبہ، اور مسلمانوں میں قرآن فہمی کا ذوق پیدا ہو۔ اور وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ لیکن کوئی تفسیر مؤثر اسی صورت میں ہوسکتی ہے، جب کہ قبولِ حق کے لئے دل کے دروازے کھلے ہوئے ہوں ؎

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ لغزشوں کو معاف فرمائے، قرآن کی اس خدمت کو قبولیت سے نوازے، اور پڑھنے والوں کو اصلاح و ہدایت کی توفیق عطا فرمائے۔

شمس پیرزادہ علیہ الرحمۃ

ادارہ دعوۃ القرآن

۵۹ محمد علی روڈ ممبئی ۴۰۰۰۰۳

۲۷؍ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ ۹؍مئی ۱۹۹۴ء

۳۰۔ الـــروم

نام سورہ کا آغاز ہی رومیوں کے بارے میں ایک پیشین گوئی سے ہوا ہے ۔اس مناسبت سے اس کا نام ''اَلرُّوم'' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے، اور رومیوں کے قریبی علاقہ میں مغلوب ہونے کے بعد نازل ہوئی۔یعنی نبوت کے ساتویں سال ۶۱۶ء میں۔

مرکزی مضمون آخرت کا یقین پیدا کرنا ہے۔ یہ یقین اس دنیا کی اصل حقیقت کو جاننے سے پیدا ہوتا ہے، نیز اس بات سے بھی کہ اللہ کا ہر وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۷ میں رومیوں کی مغلوبی کے بعد ان کے غالب ہونے کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ اور اس مناسبت سے کارسازِ حقیقی اور آخرت کی طرف ذہنوں کو موڑا گیا ہے۔

آیت ۸ تا ۲۷ میں اللہ کی ان نشانیوں پر غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے، جو زمین و آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور جو آخرت کا یقین پیدا کرتی ہیں۔

آیت ۲۸ تا ۵۴ میں توحید کے حق ہونے اور شرک کے باطل ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔ اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ دینِ توحید دینِ فطرت ہے، نیز اس دین پر ایمان لانے والوں کو اللہ کی اطاعت کے کاموں میں سرگرم رہنے اور اس کی معصیت کے کاموں سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے؟ اور جو لوگ اس طرح زندگی گزاریں گے انہیں بہترین انجام کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

آیت ۵۵ تا ۶۰ اختتامی آیات ہیں، جن میں کلام کا رُخ پھر قیامت اور آخرت کی طرف مڑ گیا ہے۔

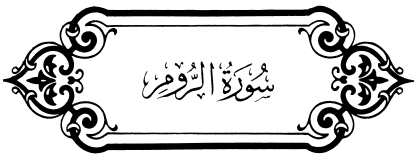

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ①

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ②

فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ ③

فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ ④

بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ ⑤

وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑥

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ⑦

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ⑧

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ⑨

۳۰۔ سورۃُ الرُّوم

آیات ۶۰

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ الف۔لام۔میم۔ ا؎

۲ رومی مغلوب ہوگئے۔ ۲؎

۳ قریب کے علاقہ میں ۔ اور وہ اپنی مغلوبیت کے بعد غالب آجائیں گے۔ ۳؎

۴ چند سال کے اندر ۴؎۔ اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی ۵؎ ۔اور اس دن اہلِ ایمان خوش ہوں گے۔ ۶؎

۵ اللہ کی نصرت سے ۷؎، وہ جسے چاہتا ہے نصرت عطاء فرماتا ہے۔ وہ غالب ہے رحمت والا۔ ۸؎

۶ یہ اللہ کا وعدہ ہے ۹؎۔ اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ۱۰؎

۷ وہ دنیا کی زندگی کے صرف ظاہر کو جانتے ہیں، اور آخرت سے وہ غافل ہیں۔ ۱۱؎

۸ کیا انہوں نے اپنے نفس میں غور نہیں کیا ۱۲؎؟ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی تمام موجودات کو (مقصد) حق کے ساتھ ۱۳؎ اور ایک مدتِ مقرر کیلئے پیدا کیا ہے ۱۴؎۔ مگر بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔

۹ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں ۱۵؎۔ وہ ان سے زیادہ طاقتور تھے۔ انہوں نے زمین کو بویا جوتا تھا اور ان سے زیادہ اسے آباد کیا تھا ۱۶؎۔ ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے تھے۔ تو اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔

۱؎ حروفِ مقطعات کی تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ بقرہ نوٹ ۱؎، سورۂ یونس نوٹ ۱؎ اور سورۂ عنکبوت نوٹ ۱؎۔

اس سورہ میں 'ا' کا اشارہ آیات (نشانیوں) کی طرف ہے جس کی طرف بار بار متوجہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر آیت ۱۰، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۴، ۲۵، ۴۶ وغیرہ۔ 'ل' کا اشارہ لقاءِ رَبِّھِمْ (اپنے رب کی ملاقات آیت ۸) اور لِقاءِ الاٰخِرۃِ (آخرت کی ملاقات آیت ۱۶) کی طرف ہے۔ اور 'م' کا اشارہ مؤمنین کی طرف ہے، جن کی نصرت کا وعدہ آیت ۴، ۵ اور ۴۷ میں کیا گیا ہے۔ گویا یہ سورہ دلائلِ توحید، آخرت کے یقین اور مؤمنوں کی نصرت، ان تین اہم مضامین پر مشتمل ہے۔

۲؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانہ میں دو عظیم سلطنتیں تھیں۔ ایک فارس (Persian Empire) جو ایران اور عراق پر مشتمل تھی۔ اور دوسری روم (Roman Empire) جو فلسطین، شام، ترکی وغیرہ پر مشتمل تھی اور جس کا دارالسلطنت قسطنطنیہ تھا۔ رومی اہلِ کتاب اور عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے تھے، مگر داخلی بغاوت کی وجہ سے ان کی سلطنت کافی کمزور ہوگئی تھی۔ اہلِ فارس مجوسی یعنی آتش پرست تھے۔ مگر ان کو رومیوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا اور انہوں نے پے در پے حملے کر کے شام اور فلسطین کے علاقہ پر قبضہ کر لیا، یہاں تک کہ نبوت کے ساتویں سال یعنی ۶۱۶ء میں وہ عرب کے شمالی سرحد تک پہنچ گئے جہاں رومیوں کا قبضہ تھا۔ رومیوں کی شکست سے مشرکین مکہ بہت خوش ہوئے اور انہیں مسلمانوں پر طنز کرنے کا موقع ملا، کہ دیکھو تمہاری طرح یہ بھی کتابِ الٰہی کے ماننے والے ہیں۔ اگر یہ حق پر ہوتے تو شکست سے دوچار نہ ہوتے۔ ان کی ہمدردیاں اہلِ فارس کے ساتھ تھیں، کیونکہ ان دونوں کا مذہب مشرکانہ تھا۔

۳؎ قریبی علاقہ سے مراد شام اور عرب کے درمیان کی سرحد ہے جو اذرعات کہلاتی تھی۔ یہ تبوک سے اوپر کا علاقہ ہے۔ یہ علاقہ رومیوں کے زیر تسلط تھا اور اس علاقہ میں لڑائی کا مطلب یہ تھا، کہ جنگ عرب کے دروازے پر پہنچ گئی ہے۔ ظاہر ہے یہ نہایت تشویشناک صورتِ حال تھی۔ پھر جب اہلِ فارس کے ہاتھوں رومی مغلوب ہوئے تو مشرکین مکہ خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ اور ان کی مغلوبیت میں مسلمانوں کی مغلوبیت اور اہلِ فارس کی فتح میں اپنی فتح کے خواب دیکھنے لگے۔ مگر ان آیتوں نے مستقبل میں پیش آنے والے واقعہ کی خبر سنا کر لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس آیت میں صریح پیشین گوئی کی گئی ہے کہ رومی، اگرچہ مغلوب ہوگئے ہیں مگر وہ غالب آئیں گے۔

۴؎ متن میں لفظ ''بضع'' (چند) استعمال ہوا ہے جو عربی میں تین سے نو تک کیلئے بولا جاتا ہے۔ گویا اس لفظ کے ذریعہ مدت کا تعین بھی کر دیا گیا کہ رومی نو سال کے اندر اندر غالب آجائیں گے۔

واضح رہے کہ اس وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت رومیوں تک نہیں پہنچی تھی۔ اور وہ تورات وانجیل پر ایمان لانے کے مدعی تھے۔ اس لئے ان کی حیثیت ایک مسلمان گروہ ہی کی تھی۔ اسی بنا پر قرآن نے ان کی تائید میں پیشین گوئی کی۔ اور اسی بنا پر مکہ کے اہلِ ایمان ان کے حامی تھے۔ اس سے یہ اصولی رہنمائی ملتی ہے کہ اگر ایک ملک کے مسلمانوں پر دوسرے ملک کے غیر مسلم حملہ آور ہوں، تو دنیا کے مسلمانوں کو اس ملک کے مسلمانوں کی حمایت کرنا چاہئے، جن کے خلاف غیر مسلموں، کافروں یا بت پرستوں نے اقدام کیا ہے۔ کیوں کہ مسلمان خواہ وہ ایک بگڑی ہوئی قوم ہی کیوں نہ ہوں، ان کا کافروں کے ہاتھوں مغلوب ہونا ہرگز پسندیدہ امر نہیں ہے، نیز اس سے دین اسلام کی بھی سبکی ہوتی ہے۔ اس سے مزید یہ رہنمائی بھی ملتی ہے کہ مسلمانوں کے کسی ملک پر مشرکوں اور کافروں کا تسلط خلافِ حق ہے۔ کیونکہ اس سے شرک اور کفر کو اپنا اثر ڈالنے کا موقع ملتا ہے اور معاشرہ میں بگاڑ کیلئے راہ ہموار ہوجاتی ہے۔ لہٰذا اس کی حمایت ہرگز نہیں کی جاسکتی۔

۵؎ یعنی پہلے جو رومی مغلوب ہوئے وہ اللہ ہی کے حکم سے ہوئے اور بعد میں جب وہ غالب ہوں گے تو اللہ ہی کے حکم سے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے

کہ غلبہ واقتدار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے محروم کرتا ہے۔ اس کی طرف سے فتح وشکست کے جو فیصلے ہوتے ہیں وہ عدل اور حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

رومیوں نے اپنے دین اسلام میں نئی نئی باتیں پیدا کر لی تھیں اور خانہ جنگی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اس لئے ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا گیا تا کہ وہ ہوش میں آئیں اور اپنی اصلاح کر لیں۔ اسی طرح بعد میں اہلِ فارس کو جو شکست ہوئی وہ اس لئے کہ ظالموں کا زور ٹوٹے۔

۶۔ یہ اہلِ ایمان کو خوشخبری سنادی گئی کہ وہ عنقریب رومیوں کے غالب آنے پر خوشیاں منائیں گے۔ مگر اس میں اس سے بڑھکر ایک اور خوشی کی طرف بھی اشارہ تھا؟ اور وہ تھی اہلِ ایمان کی کفارِ مکہ پر غالب آنے کی خوشی۔ چنانچہ ۲ھ ۶۲۴ء میں بدر کا واقعہ پیش آیا، جس میں اہلِ ایمان کی فتح ہوئی اور کفارہ مکہ کو بُری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ادھر رومی بھی اسی سال فارس پر غالب آ گئے۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ شاہ روم ہرقل (Herculius) نے جو قسطنطنیہ میں محصور ہو کر رہ گیا تھا، اپنی فوج کو ازسرنو تیار کیا اور ۶۲۳ء میں ایک منصوبہ کے تحت آذربائیجان کی راہ سے فارس پر حملہ کر دیا۔ اور اندر داخل ہو کر مجوسیوں کا سب سے بڑا آتش کدہ مسمار کر دیا۔ اس وقت خسرو (Khosrow II) فارس کا بادشاہ تھا۔ وہ اپنی اس شکست کو فتح میں تبدیل نہ کر سکا۔ رومیوں کو اہلِ فارس پر یہ غلبہ ۶۲۳ء یا ۶۲۴ء میں حاصل ہوا۔ اور اس کے بعد انہوں نے چند سال کے اندر اندر فلسطین اور اپنے تمام علاقے فارس والوں سے واپس لے لئے۔ (تاریخی تفصیلات کیلئے دیکھئے انسائیکلو پیڈیا بڑٹانیکا ج ۸ صفحہ ۷۸۱ اور ج ۱۰ صفحہ ۴۵۴)

مختصر یہ کہ ۲ھ یا ۶۲۴ء وہ سال ہے جس میں ایک طرف رومیوں کو اہلِ فارس پر غلبہ حاصل ہوا اور دوسری طرف نبی ﷺ کے ساتھی اہلِ ایمان کو کفارِ مکہ پر فتح نصیب ہوئی۔ اس طرح قرآن کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور اہل ایمان کیلئے دوہری خوشی کا سامان ہوا۔

قرآن کی اس پیشین گوئی کا نو سال کے اندر اندر پورا ہو جانا، اس (قرآن) کی اور نبی ﷺ کی صداقت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اس پیشین گوئی کے پورا ہو جانے پر بہت سے لوگ ایمان لے آئے۔

۷۔ یعنی اہلِ ایمان کو یہ خوشی نصرتِ الٰہی کی بنا پر ہوگی۔ اس بنا پر نہیں کہ رومیوں نے اپنے جوہر دکھا کر فتح حاصل کر لی۔ کیوں کہ اہل ایمان اللہ کی کارسازی پر یقین رکھتے ہیں اور اس کی نصرت کے امیدوار ہوتے ہیں۔ رومیوں کو فارس پر جو فتح حاصل ہوئی، اس کے علاوہ اہل ایمان نے جنگ بدر میں نصرت الٰہی کا جو مشاہدہ کیا وہ بڑا روح پرور اور سرور وانبساط کا باعث تھا۔

۸۔ اللہ غالب ہے اس لئے وہ جس کی مدد کرنا چاہتا ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور وہ رحیم ہے اس لئے وہ اہل ایمان پر ضرور رحم فرمائے گا اور ان کو اپنی نصرت سے نوازے گا۔

۹۔ یعنی رومیوں کے غالب آنے اور اہل ایمان کے نصرت الٰہی پر خوشیاں منانے کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے وہ لازماً پورا ہو کر رہے گا۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ یہ وعدہ پورا ہو کر رہا اور قرآن کا وحیِ الٰہی ہونا ایک حقیقتِ واقعہ بن کر سامنے آیا۔

۱۰۔ رومیوں کے غالب آنے کی جو پیشین گوئی قرآن میں کی گئی، وہ ایک مثال ہے اللہ کے وعدہ کے پورا ہونے کی۔ تا کہ لوگ اچھی طرح سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جن جن باتوں کے وعدے کئے ہیں وہ سب پورے ہو کر رہیں گے۔ مگر اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ ان وعدوں کو خاطر ہی میں نہیں لاتے۔

۱۱۔ اس آیت میں بڑی گہری بات ارشاد فرمائی گئی ہے۔ دنیا کی زندگی کے بارے میں لوگوں کا علم بالکل سطحی ہے کیونکہ ان کی نگاہیں اس کے صرف

ظاہر پر آ کر ٹک گئی ہیں اور اس کا باطنی پہلو ان کی نظروں سے اوجھل ہے۔ اگر ان کی نگاہیں دوررس ہوتیں تو وہ آخرت کو پا لیتے، مگر خوبصورت چھلکے کو دیکھ کر وہ اپنا دل بہلا رہے ہیں اور مغز کی طرف سے بے پرواہ ہیں۔ اس لئے ان کے حصہ میں دنیا کے چھلکے ہی آتے ہیں۔ دنیا میں قوموں کے عروج وزوال اور فتح وشکست کے جو واقعات پیش آتے ہیں، ان کی پشت پر جو حقیقتیں ہوتی ہیں، ان کو دیکھنے سے وہ قاصر رہتے ہیں اور سطحی رائے قائم کر بیٹھتے ہیں۔

موجودہ سائنس نے یہ ظاہر کر دیا کہ ایک ذرہ محض ذرہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے اندر الکٹرون، پروٹون اور نیٹرون پر مشتمل ایک پورا نظام ہوتا ہے۔ اور اس میں زبردست قوت پوشیدہ ہوتی ہے۔ چنانچہ ایٹمی توانائی اسی دریافت کا نتیجہ ہے۔ تعجب ہے کہ ان سب تجربات اور مشاہدات کے بعد بھی انسان کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ اور وہ حیاتِ دنیا کی ظاہری چمک دمک پر ایسا فریفتہ ہوجاتا ہے کہ اس کے اندر جھانک کر دیکھنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔ اگر وہ حیاتِ دنیا کے باطنی حقائق کا سراغ لگانے کی کوشش کرتا تو اس پر آخرت ضرور منکشف ہوتی۔ اور وحیِ الٰہی کی روشنی میں وہ دنیا کے باطن کو اسی طرح دیکھ لیتا جس طرح وہ خاص قسم کی شعاعوں (اکسیریز X - Rays) کے ذریعہ جسم کے اندرونی حصوں کو دیکھ لیتا ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ بہتر طریقہ پر دیکھ لیتا۔

۱۲؎ یعنی آخرت کے منکرین اپنے اندر جھانک کر کیوں نہیں دیکھتے کہ ان کا وجدان ان سے کیا کہہ رہا ہے۔ آیا یہ کہ نہ ان کی پیدائش کا کوئی مقصد ہے اور نہ اس کائنات کی پیدائش کا۔ اور انسان اچھے کام کرے یا بُرے نتیجہ صفر ہے، یا یہ کہ انسان فطرتاً ایک ذمہ دار مخلوق ہے اس لئے اس کی پیدائش کا بھی ایک مقصد ہے۔ اور چونکہ یہ کائنات نہایت حکیمانہ ڈھنگ سے چل رہی ہے۔ اس لئے اس کی پیدائش کی بھی ایک غرض وغایت ہے۔ اور انسان کے اچھے کام کا نتیجہ اچھا نکلنا چاہیئے اور بُرے کام کا بُرا۔ اگر انسان اپنے وجدان پر غور کرے تو وہ اسے اس دوسری بات ہی کی تائید میں پائے گا اور یہ جزا اور سزا کی تائید میں انسان کے وجدان کی گواہی ہے۔

۱۳؎ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ انعام نوٹ ۱۲۴؎ اور سورۂ یونس نوٹ ۱۵؎۔

۱۴؎ یعنی یہ کائنات جس طرح ازلی نہیں ہے اسی طرح ابدی بھی نہیں ہے۔ اس کا آغاز بھی ہے اور انجام بھی۔ یہ کارخانہ ایک وقتِ مقرر تک ہی چلتا رہے گا جس کی تعیین اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ اور اسی کو معلوم ہے کہ اس کا خاتمہ کب ہونا ہے۔

اس کائنات کے ظاہر کو دیکھ کر لوگ یہ خیال کرتے رہے ہیں کہ یہ ہمیشہ ایسی ہی رہے گی۔ چنانچہ اسی خیال کے مطابق انہوں نے اپنے مذہبی تصورات بھی قائم کر لئے۔ لیکن موجودہ سائنس نے ان تصورات کو غلط ٹھہرایا۔ کیونکہ ایک ذرہ کا پھٹ جانا اور اس میں سے ایک زبردست قوت کا خارج ہوجانا اگر ممکن ہے تو یہ کیوں ممکن نہیں کہ یہ پوری کائنات ایک دھماکے سے دوچار ہوجائے، اور اس کے پھٹنے سے زبردست قوت خارج ہوجائے جو اس کو نیا وجود بخشے؟

۱۵؎ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ انعام نوٹ ۲۰؎ اور سورۂ حج نوٹ ۸۲؎۔

۱۶؎ یعنی گذری ہوئی قوموں نے ان عربوں سے زیادہ تمدنی ترقی کی تھی، مگر رسولوں کو جھٹلانے کے نتیجہ میں ان پر عذاب آیا۔ اور ان کا سارا تمدن خاک میں مل کر رہا۔

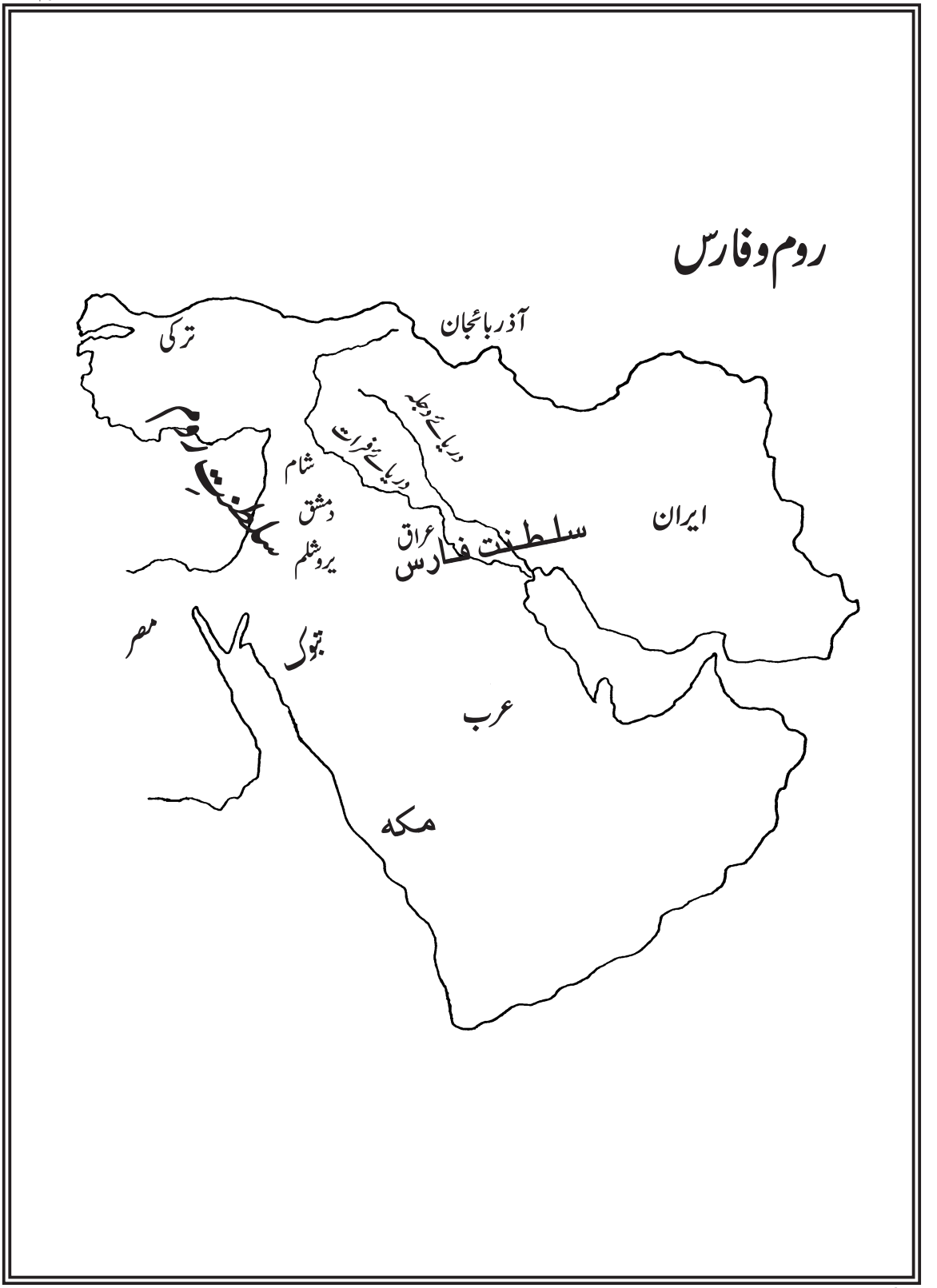

روم و فارس

ترکی
آذربائجان
سلطنت روم
شام
دمشق
یروشلم
دریائے فرات
دریائے دجلہ
عراق
سلطنت فارس
ایران
مصر
تبوک
عرب
مکہ

اللہ کی تسبیح کرو شام کے وقت بھی اور صبح کے
وقت بھی۔(القرآن)

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓآٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾

۱۰ تو ان لوگوں کا انجام جنہوں نے برائی کی تھی برا ہوا۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا تھا اور ان کا مذاق اڑاتے رہے۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾

۱۱ اللہ ہی پیدائش کا آغاز کرتا ہے پھر وہ اس کا اعادہ کرے گا ۱۷؎ تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾

۱۲ اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم مایوس ہوکر ہکا بکا رہ جائیں گے۔ ۱۸؎

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

۱۳ ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں سے کوئی ان کا سفارشی نہ ہوگا اور وہ اپنے شریکوں کا انکار کریں گے۔ ۱۹؎

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴ جس دن وہ گھڑی قائم ہوگی اس دن لوگ الگ الگ ہوجائیں گے۔ ۲۰؎

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵ تو جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہوں گے وہ ایک باغ ۲۱؎ میں خوش وخرم رکھے جائیں گے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶ اور جنہوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ہوگا ۲۲؎، وہ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷ تو اللہ کی تسبیح کرو شام کے وقت بھی اور صبح کے وقت بھی۔ ۲۳؎

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

۱۸ ۔۔۔۔ اور اسی کے لئے حمد ہے آسمانوں اور زمین میں ۲۴؎۔ ۔۔۔۔ اور (اس کی تسبیح کرو) دن کے آخری حصہ میں بھی ۲۵؎، اور اس وقت بھی جب ظہر ہو۔ ۲۶؎

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹ وہ زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ سے ۲۷؎ ۔اور زمین کو اس کے مُردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے ۲۸؎۔ اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ گے۔ ۲۹؎

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾

۲۰ اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ۳۰؎، پھر یکا یک تم بشر بن کر پھیلنے لگے۔ ۳۱؎

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

۲۱ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے بیویاں پیدا کیں ۳۲؎۔ تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو ۳۳؎۔ اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کی ۳۴؎۔ یقیناً اس کے اندر نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔

۱۷۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ عنکبوت نوٹ ۳۶۔

۱۸۔ یعنی جولوگ شرک جیسا نا قابلِ معافی جرم کر کے آئے ہونگے وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہوں گے۔اور قیامت کے احوال دیکھ کران کے ہوش اڑ جائیں گے۔

۱۹۔ یعنی دنیا میں جن کوانہوں نے اپنا سفارشی سمجھ کر اللہ کے حقوق واختیارات میں شریک ٹھہرا رکھا تھا،ان سے ان کی ساری عقیدت ختم ہوجائے گی۔اوراس وقت وہ اعتراف کریں گے کہ یہ ہمارے خدانہیں ہیں۔

۲۰۔ یعنی قیامت کے دن ایمان اور کفر کی بنیاد پر لوگوں کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم کیا جائے گا۔رنگ ونسل اورقوم و وطن کے سارے اختلافات بے معنی ہو چکے ہوں گے۔عقیدہ وعمل کا اختلاف اصل اختلاف قرار پائے گا۔اوراسی کی بنیاد پر انسانوں کی گروہ بندی ہوگی۔

۲۱۔ روضۃ (باغ) کا لفظ استعمال ہوا ہے جو عربی میں اس باغ کیلئے بولا جاتا ہے،جوخوش منظر بھی ہواور جس میں بہ کثرت پانی بھی ہو۔یہاں جنت کے سرسبز وشاداب اورفرحت وسرور بخشنے والے باغ کا تصور دلانا مقصود ہے۔

۲۲۔ کفرصرف یہی نہیں کہ اللہ کے وجود کا انکار کیا جائے، بلکہ اس کے وجود کو مانتے ہوئے اس کی آیتوں کا انکار کرنا بھی ہے،جن میں وہ تمام نشانیاں شامل ہیں،جواللہ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں،نیز وہ آیتیں بھی جو رسول پر نازل ہوئیں۔اسی طرح قیامت کے دن اللہ کے حضور پیشی کو جھٹلانا بھی سراسر کفر ہے۔

۲۳۔ یعنی جب اللہ کی قدرت کے یہ کرشمے ہیں،جن کا تم رات دن مشاہدہ کرتے ہو،تو چاہئے کہ اس کی پاکی بیان کرو،اس کے گن گاؤ اور اس کا نام جپتے رہو۔خاص طور سے دن اور رات کے ہرموڑ پر جب کہ آسمان پر قدرتی آثار ظاہر ہوجاتے ہیں اور فضا میں تغیر ہونے لگتا ہے۔خدا کی طرف ذہن کوموڑنے والی ان علامتوں کو دیکھ کر تمہیں اس کی تسبیح وتحمید اوراسکی عبادت میں مشغول ہوجانا چاہیئے۔
تسبیح کا یہ حکم اپنے اندر عمومیت لئے ہوئے ہے۔لیکن یہ اوراس کے بعد والی آیت میں پنج وقتہ نماز کی طرف اشارہ ہے،جو تسبیح اور تحمید کی بہترین شکل ہے۔شام کا وقت مغرب اور عشاء کی نماز کا وقت ہے اور صبح کا وقت فجر کی نماز کا۔

۲۴۔ یعنی آسمان وزمین میں اللہ ہی حمد کا مستحق ہے۔اور پوری کائنات اس کی حمد وثنا میں زمزمہ سنج ہے،لہٰذا تم بھی اس سے ہم آہنگ ہوجاؤ۔اس بزم میں کسی اور کا راگ الاپنے اور کسی اور کے نام کی مالا جپنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

۲۵۔ عشیاً (دن کا آخری حصہ) سے مراد عصر کا وقت ہے یہ وقت نمازِ عصر ادا کرنے کا ہے۔

۲۶۔ ظہر یعنی زوال کا وقت یہ وقت نمازِ ظہر ادا کرنے کا ہے۔

۲۷۔ اس کی تشریح سورۂ آل عمران نوٹ ۴۰۔ اور سورۂ انعام نوٹ ۱۷۷۔ میں گزر چکی۔

۲۸۔ اس کی تشریح سورۂ بقرہ نوٹ ۱۹۷۔ میں گزر چکی۔

۲۹۔ یعنی موت کے بعد قیامت کے دن تم دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے۔

۳۰۔ اللہ انسان کا خالق ہے۔اور جب خالق نے خود بتلایا کہ اس نے انسان کومٹی سے پیدا کیا ہے،تو اس سے زیادہ یقینی بات اور کیا ہوسکتی ہے؟ اس کی تائیداس بات سے بھی ہوسکتی ہے کہ انسان اپنی غذا مٹی ہی سے حاصل کرتا ہے اور مرکرمٹی ہی میں مل جاتا ہے۔
سائنس کی رو سے بھی زمین پر زندگی کا ظہور بعد ہی میں ہوا ہے۔لیکن ڈارون کا یہ نظریہ کہ انسان بندر سے پیدا ہوا ہے،محض قیاسی بات ہے جس کا

کوئی علمی ثبوت نہیں ہے۔اور قرآن کے بیان کے سراسر خلاف ہے۔مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ حج نوٹ ۷۔

۳۱۔ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔اس کے بعد اس کی نسل ایسی چلی، کہ پوری دنیا انسانوں سے آباد ہوگئی۔اور اربوں انسان دنیا میں پھیلتے ہی چلے جارہے ہیں۔یہ کس کی قدرت کا کرشمہ ہے؟

ماضی کا انسان بھی انسانی تخلیق پر اس پہلو سے غور نہ کرنے کے نتیجہ میں شرک میں مبتلا ہوا۔اور موجودہ دور کا انسان بھی اس پہلو سے غور نہ کرنے کے نتیجہ میں کفر والحاد میں مبتلا ہے۔

۳۲۔ اس کی تشریح سورۂ نحل نوٹ ۱۰۷ میں گزر چکی۔

۳۳۔ بیویوں (عورتوں) کو پیدا کرنے کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ مردوں کو ان سے سکون حاصل ہو۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورتیں مردوں کے ہاتھ میں محض کھلونا ہیں۔بلکہ جس طرح ایک اعلیٰ مقصد کیلئے مردوں کی تخلیق ہوئی ہے، اسی طرح اعلیٰ مقصد کے لئے عورتوں کی بھی تخلیق ہوئی ہے۔اس لئے ایک ذمہ دار مخلوق ہونے کی حیثیت سے دونوں برابر ہیں۔

۳۴۔ محبت یہ کہ گہرا جذباتی لگاؤ ایک دوسرے کے ساتھ پیدا ہوجاتا ہے۔اور رحمت یہ کہ شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے ہمدرد اور غمگسار بنتے ہیں۔اس طرح دونوں ایک جان دو قالب بن کر رہتے ہیں۔

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی کی چمک دکھاتا ہے جو خوف بھی پیدا کرتی ہے اور امید بھی۔ اور آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین کو اس کے مُردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ (القرآن)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾

۲۲ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی خلقت ۳۵؎ اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے ۳۶؎ ۔یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔ ۳۷؎

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

۲۳ اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن میں تمہارا سونا ۳۸؎ اور اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے ۳۹؎۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو سنتے ہیں۔ ۴۰؎

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾

۲۴ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی کی چمک دکھاتا ہے جو خوف بھی پیدا کرتی ہے اور امید بھی ۴۱؎۔ اور آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین کو اس کے مردہ ہوجانے کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان و زمین اس کے حکم سے قائم ہیں ۴۲؎۔ پھر جب وہ تم کو زمین سے پکارے گا تم اچانک نکل پڑو گے۔ ۴۳؎

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾

۲۶ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں اسی کی مملوک ہیں ۴۴؎۔ سب اسی کے تابع اور فرمان ہیں۔ ۴۵؎

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

۲۷ وہی تخلیق کا آغاز کرتا ہے اور وہی اس کا اعادہ کریگا (لوٹائے گا) اور یہ اس کے لئے زیادہ آسان ہے ۴۶؎۔ آسمانوں اور زمین میں اس کی شان اعلیٰ ہے ۴۷؎۔ اور وہ غالب ہے حکمت والا۔ ۴۸؎

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

۲۸ وہ تمہارے لئے تمہاری اپنی ذات سے متعلق مثال بیان فرماتا ہے، کیا تمہارے مملوکوں (غلاموں) میں سے ایسے بھی ہیں جو ہمارے دیئے ہوئے مال میں تمہارے شریک ہوں کہ تم اور وہ اس میں برابر قرار پائیں۔ اور تم ان سے اسی طرح ڈرتے ہو جس طرح اپنوں سے ڈرتے ہو ۴۹؎۔ اس طرح ہم اپنی آیتوں کو کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

۲۹ مگر یہ ظالم ۵۰؎ بے جانے بوجھے اپنی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں ۵۱؎۔ تو جن کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہو ان کو کون راستہ دکھا سکتا ہے ۵۲؎؟ ایسے لوگوں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

۳۵۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ بقرہ نوٹ ۱۹۶۔

۳۶۔ انسان اگر خود کار مشین (Automatic Machine) میں ڈھل کر نکلا ہوتا تو سب کی زبان اور سب کا رنگ یکساں ہوتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف قوموں کی مختلف زبانیں ہیں اور رنگ بھی مختلف۔ کوئی کالا ہے تو کوئی گورا، کوئی گندمی رنگ کا ہے تو کسی کا رنگ سرخی مائل۔ زبان و رنگ کے یہ اختلافات کیا اس حقیقت کی طرف رہنمائی نہیں کرتے ؟ کہ انسان کی پیدائش کے پیچھے ایک ارادہ، ایک حکمت اور ایک منصوبہ کارفرما ہے، جو ایک زبردست مدبر کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔

۳۷۔ یعنی جو جہالت کی تاریکیوں میں نہیں رہتے، بلکہ علم کی روشنی میں اپنی فکر بناتے ہیں اور اپنا سفرِ زندگی طے کرتے ہیں۔

۳۸۔ نیند کی حالت کتنی عجیب وغریب ہے، کہ اس میں انسان کو نہ بھوک کا احساس ہوتا ہے اور نہ پیاس کا۔ ساتھ ہی وہ تکان کو دور کر کے تازگی پیدا کرتی ہے۔ اور نیند کے دوران جسم میں اصلاح کا عمل تیزی کے ساتھ انجام پاتا ہے۔ کیا یہ سب آپ سے آپ ہو رہا ہے؟

۳۹۔ معاشی دوڑ دھوپ کو اللہ کا فضل تلاش کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ گزر بسر کا سامان اللہ کا محسوس ہونے والا فضل ہے۔

۴۰۔ یعنی جو لوگ نصیحت کی باتوں کو سننے کیلئے اپنے کان کھلے رکھتے ہیں، وہی پیغمبر کی نصیحت کا اثر قبول کرتے ہیں۔ اور ان علامتوں سے جن کی نشاندہی قرآن کرتا ہے صحیح رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

۴۱۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ رعد نوٹ ۲۸۔

۴۲۔ آسمان کا تمام اجرامِ سماوی کے ساتھ اس طرح قائم رہنا، اور زمین کا اس طرح برقرار رہنا، کہ طویل زمانہ گذر جانے کے بعد نہ ان میں کوئی خرابی پیدا ہو اور نہ ان کے نظام میں کوئی خلل واقع ہو، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ خدا ہی کی ذات ہے۔ جس کے حکم سے یہ قائم ہیں۔ اور جب اس کے حکم سے قائم ہیں تو وہ اپنے حکم سے ان کو درہم برہم بھی کر سکتا ہے۔ لہٰذا قیامت ہرگز ناممکن نہیں۔

۴۳۔ یعنی تم کو دوبارہ زندہ کرنے کیلئے اللہ کا تم کو ایک مرتبہ پکارنا کافی ہوگا۔ جوں ہی وہ تمہیں آواز دے گا تم زمین سے زندہ نکل پڑو گے۔ یہ نکلنا جسم سمیت ہوگا اور اللہ کی پکار زمین کے اندر سے سنائی دیگی۔

۴۴۔ یعنی اس کے بندے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی مالک نہیں بلکہ ان سب کا مالک اللہ ہے۔ انسان بھی پیدائشی طور پر اللہ کا بندہ اور غلام ہے۔

۴۵۔ یعنی سب اس کے آگے عاجز ہیں اور ان پر اس کے احکام نافذ ہو کر رہتے ہیں۔

۴۶۔ یعنی اللہ کے لئے دوسری مرتبہ پیدا کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ جب تم مانتے ہو کہ پہلی مرتبہ اس نے پیدا کیا تو پھر دوسری مرتبہ پیدا کرنا اس کے لئے اور آسان ہوگا۔ مگر یہ کیسی بات ہے کہ تم دوسری پیدائش کو ناممکن خیال کرتے ہو۔

۴۷۔ یعنی اللہ کو انسان یا کسی اور مخلوق پر قیاس نہ کرو۔ وہ ایسی بالاتر ہستی ہے جس کی کائنات میں کوئی مثال نہیں۔ وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے اور اس کی صفات نہایت اعلیٰ ہیں۔

اس حقیقت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کے بارے میں کوئی ایسی بات کہنا، جو اس کی شان سے فروتر ہو یا جس سے اس کی شان میں گستاخی ہوتی ہو، سراسر جہالت اور گمراہی ہے۔

۴۸۔ اللہ کی دو صفتیں یہاں بیان ہوئی ہیں۔ عزیز یعنی غالب اور حکیم یعنی حکمت والا۔ وہ غالب ہے اس لئے اس کا یہ وعدہ کہ وہ انسان کو دوبارہ پیدا کرے گا پورا ہو کر رہے گا۔ اور اس کا یہ فیصلہ کہ قیامت برپا ہوگی اور عدالت قائم ہوگی نہایت حکیمانہ فیصلہ ہے جو نافذ ہو کر رہے گا۔

۴۹؎ یہ مثال شرک کی نامعقولیت کو واضح کرنے کے لئے پیش کی گئی ہے۔ جب تم اپنے غلاموں کو اپنے مال میں برابر کا شریک نہیں سمجھتے اور ان کے شریک نہ ہونے کی بنا پر تم ان سے وہ اندیشہ نہیں رکھتے جو اپنوں سے رکھتے ہو۔ یعنی یہ کہ کہیں کوئی تمہارا حق غصب نہ کر لے یا اس میں بے جا تصرف نہ کر بیٹھے۔ تو جب تم اللہ کے دیئے ہوئے مال میں اپنے غلاموں کو شریک قرار نہیں دیتے اور ان کو برابری کا حق دار نہیں سمجھتے، تو اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق میں اس کے ساجھی اور شریک کس طرح ٹھہراتے ہو، اور ان کے حقوق اللہ کے حقوق کے برابر کس طرح قرار دیتے ہو؟ جو بات تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ اللہ کے لئے کس طرح پسند کرتے ہو جب کہ اس کی شان بہت بلند و بالا ہے۔

۵۰؎ مراد مشرک اور بت پرست ہیں۔

۵۱؎ واضح ہوا کہ شرک و بت پرستی کا علم اور معقولیت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ محض خواہش پرستی ہے۔

۵۲؎ یعنی جو اللہ کے ٹھہرائے ہوئے قانونِ ضلالت کے مطابق گمراہ ہوا، اس کو راہ راست پر لانا کسی کے بس کی بات نہیں۔

قرابت دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر
کو اس کا حق۔ یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لئے
جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ اور وہی
فلاح پانے والے ہیں۔ (القرآن)

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳۰﴾

۳۰ پس تم اپنا رُخ اس دین کی طرف کرلو یکسو ہوکر ۵۳؎۔ وہ فطری دین جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ۵۴؎ ۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت میں کوئی تبدیلی نہیں ۵۵؎ ۔ یہی صحیح دین ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں ۵۶؎ ۔

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴿۳۱﴾

۳۱ (اپنا رُخ اس دین کی طرف کرلو) اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے ۵۷؎، اس سے ڈرو ۵۸؎ اور نماز قائم کرو۔ اور مشرکین میں سے نہ ہوجاؤ۔ ۵۹؎

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾

۳۲ جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہوں میں بٹ گئے ۶۰؎ ۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس میں مگن ہے۔ ۶۱؎

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۙ﴿۳۳﴾

۳۳ جب لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتے ہیں، اس کی طرف رجوع ہوکر، پھر جب وہ اپنی رحمت کا ذائقہ چکھاتا ہے، تو ان میں سے ایک گروہ اپنے رب کا شریک ٹھہرانے لگتا ہے۔ ۶۲؎

لِيَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۟ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

۳۴ تاکہ جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا اس کی ناشکری کریں۔ تو مزے کرلو، عنقریب تمہیں معلوم ہوجائے گا۔

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾

۳۵ کیا ہم نے کوئی سند ان پر نازل کی ہے جو ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں پر ناطق ہے۔ ۶۳؎

وَاِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾

۳۶ جب ہم لوگوں کو رحمت کا ذائقہ چکھاتے ہیں تو وہ اترانے لگتے ہیں۔ اور جب ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آتی ہے ۶۴؎، تو وہ فوراً مایوس ہوجاتے ہیں۔ ۶۵؎

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

۳۷ کیا یہ دیکھتے نہیں کہ اللہ ہی رزق کشادہ کرتا ہے جس کیلئے چاہتا ہے اور ناپ تلا کر دیتا ہے۔ جس کیلئے چاہتا ہے۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔ ۶۶؎

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾

۳۸ تو قرابت دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق ۶۷؎۔ یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں ۶۸؎ ۔ اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔ ۶۹؎

۵۳؎ یعنی جب توحید حقیقت ہے۔۔۔اور سب سے بڑی حقیقت۔۔۔۔تو چاہیئے کہ اس دین توحید کے لئے اپنے قلب و ذہن کو یکسو کرلو اور اس پر قائم ہو جاؤ۔تمہاری نگاہیں اِدھر اُدھر بھٹکنے نہ پائیں بلکہ دین اسلام ہی پر مرتکز ہو کر رہ جائیں۔

اسلام جو توحیدِ خالص کا دین ہے، کسی بھی مذہب کی طرف ادنیٰ رجحان بھی ایمان کو متزلزل کر دیتا ہے۔اور تمام مذاہب کے حق ہونے کا تصور تو سراسر گمراہی ہے۔

۵۴؎ مراد اسلام ہے اور اسلام کو دینِ فطرت اس لئے کہا گیا ہے کہ:

۱) ہر انسان کی سرشت میں ایک خدا کا تصور موجود ہوتا ہے، جسے وہ اپنے خالق اور اپنے رب کی حیثیت سے پہچانتا ہے۔دوسرے خداؤں کے تصور سے اس کی فطرت بالکل نا آشنا ہوتی ہے۔

خدائے واحد کی ربوبیت کا عہد، عہد فطرت ہے، جو تمام انسانوں سے دنیا میں ان کے بھیجے جانے سے پہلے ہی لیا جا چکا ہے۔ملاحظہ ہو سورۂ اعراف آیت ۱۷۲ انوٹ ۲۶۴؎ ، ۲۶۵؎۔

۲) انسان کی فطرت بنیادی طور پر بھلائی اور نیکی کے کاموں کو پسند کرتی ہے۔اور برائی اور شر سے نفرت کرتی ہے اور اسلام ان فطری داعیات کو پروان چڑھاتا ہے۔

۳) انسان کا اپنا ضمیر اور اس کا پورا وجدان اس کو اپنے رب کے حضور جوابدہ ٹھہراتا ہے، اسلام اس تصور کی نہ صرف تائید کرتا ہے بلکہ اس کو دل میں راسخ کر دیتا ہے۔

۴) انسانی فطرت سچ اور جھوٹ میں تمیز کرتی ہے اور جب اسلام ایک سچا دین ہونے کی حیثیت سے اس کے سامنے آجاتا ہے، تو وہ اس کی طرف اس طرح لپکتی ہے جس طرح سوئی مقناطیس کی طرف۔یہ تو خواہشات، تعصّبات اور شیطانی وساوس ہیں جو رکاوٹ بنتے ہیں۔

۵) پانی کی فطرت ڈھلوان کی طرف بہنا ہے۔اسی طرح انسان کی فطرت راہِ راست پر چلنا ہے۔اگر گمراہی کے اسباب نہ ہوں تو جونہی اس پر اسلام کی شاہراہ واضح ہوگی وہ اسی پر چل پڑیگا۔

گویا اسلام فطرت کے مضمرات اور اشارات کی توضیح ہے۔اس لئے یہ ہر شخص کا اپنا دین ہے۔اور یہ اسلام ہی ہے جو پورے دعوے کے ساتھ کہتا ہے کہ یہ دین، دینِ فطرت ہے، جب کہ کوئی دوسرا دین یہ دعویٰ کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔اسلام کے دین فطرت ہونے کو نبی ﷺ نے اس طرح واضح فرمایا ہے:

مَامِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُولَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ۔فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ وَیُنَصِّرَانِہٖ وَیُشَرِّکَانِہٖ۔(مسلم کتاب القدر)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر پیدا نہ ہوتا ہو۔پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مشرک بنا دیتے ہیں۔''

یعنی بچہ کو اس کے فطری دین سے پھیر کر کسی اور مذہب سے وابستہ کرنے والی چیز ایک خارجی عمل ہوتا ہے۔یہ عمل والدین یا ماحول انجام دیتا ہے، خواہ وہ یہودیت کی شکل میں ہو، یا نصرانیت کی شکل میں، بدھ مت کی شکل میں ہو، یا ہندومت کی شکل میں، بت پرستی کی شکل میں ہو، یا الحاد و دہریت کی شکل میں۔

غرضیکہ جس شخص نے بھی اپنی فطرت کو مسخ نہ کیا ہو وہ اسلام کو اپنے دل ہی کی آواز سمجھے گا۔

۵۵۔ یعنی اللہ نے جس فطرت پر پیدا کیا ہے اور جس سانچے (Model) میں ڈھالا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے، اگرچہ یہ بات عقیدہ کے تعلق سے ارشاد ہوئی ہے، لیکن الفاظ کی عمومیت معنی کی وسعت کو لئے ہوئے ہے، جس میں ظاہری ساخت کو تبدیل نہ کرنا بھی شامل ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں بعض فیشن ایسے تھے جن سے خلق اللہ (اللہ کی بنائی ہوئی ساخت) میں تغیر واقع ہوتا تھا۔ اسلئے حدیث میں نہ صرف ان کی ممانعت کردی گئی، بلکہ ایسے فیشن پرستوں کو لعنت کا مستحق قرار دیا گیا۔ مثلاً بھوؤں کو باریک کرنا، دانتوں کے درمیان درزیں بنانا، ہاتھوں کو گوندھنا وغیرہ۔

چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

عن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال لَعَنَ اللّٰہُ الواشِماتِ وَ الْمُستَوْشِماتِ وَ الْمُتَنَمِّصَاتِ وَ الْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسنِ الْمُغَیِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰہِ مَالِی لَا اَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ وَ ھُوَ فِی کِتابِ اللّٰہِ۔ (صحیح البخاری۔ کتاب اللباس)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ نے لعنت فرمائی ہے گوندھنے والیوں، گندھوانے والیوں، بھوؤں کے بال نوچ نوچ کر نکالنے والیوں اور دانتوں کے درمیان درزیں پیدا کرنے والیوں پر، جو حسن کیلئے اللہ کی خلقت میں تغیر کرتی ہیں۔ میں ان پر کیوں نہ لعنت کروں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ اور یہ بات اللہ کی کتاب میں موجود ہے (یعنی رسول کی اطاعت کا حکم)''۔

اسی طرح موجود زمانہ میں ڈاڑھی منڈھانے کا فیشن، جب کہ ڈاڑھی فطری طور پر رجولیت (مردانگی) کا اظہار ہے۔ اور محض خوبصورتی بڑھانے کیلئے پلاسٹک سرجری کے ذریعہ اپنے چہرہ کو بدلنا، اپنی پنڈلیوں کو نازک بنانا، کسی واقعی مجبوری کے بغیر نس بندی کرانا وغیرہ۔

۵۶۔ اور آج بھی اکثر لوگوں کا حال یہی ہے کہ وہ نہیں جانتے، کہ اسلام ہی فطری اور سچا دین ہے۔ وہ یا تو یہ سمجھتے ہیں کہ جس مذہب میں وہ پیدا ہوئے ہیں وہ صحیح مذہب ہے، یا یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے سب ہی مذاہب صحیح ہیں جن میں اسلام بھی شامل ہے۔

۵۷۔ یعنی دین اسلام کی طرف اپنا رُخ اس طور سے کرلو کہ دل میں اللہ کیلئے رجوع وانابت ہو۔

۵۸۔ یعنی دینِ اسلام کی عظمت کے تصور سے ڈرو اور اس کی نافرمانی سے بچو۔

۵۹۔ یہ فقرہ کہ ''نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہوجاؤ'' اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مسلمان کو مشرک سے ممتاز کرنے والی چیز نماز ہے۔ نماز قائم کرکے آدمی موحد (توحید کا ماننے والا) بنتا ہے اور اس کو ترک کرکے اپنے کو شرک اور کفر کی راہ پر ڈال لیتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ نماز اول تا آخر توحید پر مشتمل ہے۔ وہ بندہ اور اللہ کے درمیان مناجات اور دعا ہے جس میں نہ کوئی واسطہ ہے اور نہ وسیلہ، نہ کسی کی جاہ کا حوالہ دیا جاتا ہے اور نہ کسی کے صدقے میں کچھ مانگا جاتا ہے۔ بلکہ جو کچھ مانگا جاتا ہے اپنے رب سے براہ راست مانگا جاتا ہے اور اسی کی حمد وثنا کرتے ہوئے۔ اگر مسلمان نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اسی پر غور کریں، تو اپنا دامن شرک وبدعات سے جھاڑ دیں۔

۶۰۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ انعام نوٹ ۲۹۵۔

۶۱۔ یعنی ہر مذہب کے پیرو اپنے اپنے مذہب پر خوش اور اس کے معتقد ہیں۔ وہ کبھی یہ سوچنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے کہ جس مذہب پر وہ اعتقاد رکھتے ہیں، وہ واقعی اللہ کا نازل کیا ہوا مذہب ہے یا انسانوں کا خود ساختہ۔

۶۲۔ تکلیف میں خدا کا یاد آجانا درحقیقت فطرت کی آواز ہے۔ لہٰذا ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ لوگ توحید کے قائل ہوجاتے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تکلیف کو دور فرماتا ہے، تو انسانوں کی ایک تعداد ایسی ہے جو اس رحمت کو کسی اور کی نوازش قرار دینے اور اس کو خدا کے اختیارات میں شریک ٹھہرانے لگتی ہے۔

۶۳؎ یعنی کیا ان لوگوں کے پاس اللہ کی نازل کردہ کوئی سند ہے، جو اس بات کی شہادت دیتی ہو کہ اللہ نے اپنے اختیارات میں فلاں اور فلاں کو شریک کرلیا ہے۔لہٰذا تم ان کو حاجت روائی کیلئے پکار سکتے ہو اور وہ تمہاری پکار بھی سن سکتے ہیں اور تمہاری فریاد رسی بھی کر سکتے ہیں۔لیکن اگر ایسی کوئی سند تمہارے پاس موجود نہیں ہے تو تمہارا یہ دعویٰ کتنا غلط اور بے بنیاد ہے؟

معلوم ہوا کہ مختلف مذاہب کی جو کتابیں مقدس سمجھی جاتی ہیں ان میں اگر دیوی دیوتاؤں کا تصور ہے، یا خدا کی صفات اور اس کے حقوق واختیارات میں کسی کو شریک ٹھہرا گیا ہے تو وہ خدائی سند کی حیثیت ہرگز نہیں رکھتیں۔کیوں کہ خدا نے اس قسم کی کوئی بات کبھی کسی پیغمبر پر نازل نہیں کی اور نہ اپنی کسی کتاب میں بیان فرمایا۔ بلکہ ان مذاہب کے پیروؤں نے وہم پرستی اور اٹکل کی بنیاد پر خدا کے شریک ٹھہرائے۔اور ان کو اپنی مذہبی کتابوں اور گرنتھوں میں شامل کرلیا۔

یہ تو ہے مشرکین کا معاملہ،لیکن مسلمانوں میں سے بھی، بدعت پسند گروہ نے کچھ کم ظلم نہیں کیا ہے۔وہ قطب، ابدال اور اولیاء کو اس عالم میں متصرف مانتے ہیں اور تاویل یہ کرتے ہیں کہ ہم ان کو خدا نہیں مانتے بلکہ یہ مانتے ہیں کہ خدا نے ان کو تصرف کے اختیارات دیئے ہیں۔اس لئے وہ مانگنے والے کو دیتے ہیں، فریاد کو پہنچتے اور تکلیف کو دور کرتے ہیں، غریب کو نوازتے ہیں اور پکارنے والے کی مدد کرتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سند کہاں نازل کی ہے کہ فلاں اور فلاں کو اس نے تصرف کے اختیارات دے رکھے ہیں، لہٰذا حاجت روائی کے لئے ان کو پکارا کرو وہ تمہاری مدد کو پہنچیں گے؟ کیا قرآن میں ایسی کوئی آیت دکھائی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ قرآن تو صاف صاف کہتا ہے کہ سارے اختیارات اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور اس کے اختیارات میں اس کا کوئی شریک نہیں۔اگر کسی کو اس نے خدائی کے اختیارات دیئے ہوتے تو اس کے ذکر سے قرآن کیسے خالی ہوسکتا تھا؟ پھر یہ بھی سوچئے کہ کسی ولی یا پیر کو دستگیر یا غوث (فریادرس) ماننے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لاکھوں اور کروڑوں لوگوں کی پکار کو، جو اس کو پکارتے ہیں غیب میں رہتے ہوئے سنتا ہے اور ان میں سے ہر ہر شخص کے حال کو جانتا ہے، کہ کون مؤمن ہے اور کون منافق، کون نیک ہے اور کون بد، کس نے اس کی منت مانی ہے اور کون اس کے نام کی نذر و نیاز کرتا ہے۔اس تفصیلی واقفیت کے بعد ہی وہ ولی کسی کی فریاد کو پہنچ سکتا ہے اور کسی کی مدد کرسکتا ہے۔کسی ولی کے بارے میں یہ عقیدہ کیا اس کو عالم الغیب ماننے کے مترادف نہیں ہے؟ اور اگر یہ شرک نہیں تو پھر شرک کیا ہے؟

۶۴؎ انسان پر جو مصیبتیں آتی ہیں وہ اگرچہ آزمائش کے طور پر آتی ہیں، لیکن بسا اوقات اس کے کرتوتوں کے سبب بھی آتی ہیں۔اور یہ بات عام مشاہدہ میں بھی آتی رہتی ہے۔

۶۵؎ انسان کا یہ طرزِ عمل غلط ہے۔خدا کی کسی عنایت پر نہ اترانا صحیح ہے اور نہ کسی تکلیف کے پہنچنے پر مایوس ہونا صحیح۔اسے پہلی حالت میں شکر کرنا چاہیئے اور دوسری حالت میں صبر۔

۶۶؎ ایک نشانی یہ کہ رازق اللہ ہی ہے۔دوسری یہ کہ رزق خدائی منصوبہ کے مطابق انسان کو ملتا ہے۔تیسری یہ کہ اللہ جس کو رزق کم دینا چاہے اس کے لئے اسباب ویسے ہی بنتے ہیں۔اور انسان کے بس میں یہ نہیں کہ وہ محض اپنی تدبیر سے جتنا چاہے رزق حاصل کرلے۔چنانچہ کتنے ہی لوگ باوجود اپنی صلاحیت اور تدابیر کے کشادہ رزق حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔یہ ناکامی اس بات کا ثبوت ہے کہ تدبیر ہی سب کچھ نہیں، بلکہ اللہ کی مشیت اصل چیز ہے۔اور چوتھی نشانی یہ کہ رزق کی تنگی اور کشادگی کا مطلب یہ نہیں ہے، کہ جس کو نپا تلا رزق مل رہا ہے وہ اس کی نظر میں محبوب نہیں ہے اور جس کو وافر رزق مل رہا ہے وہ اس کی نظر میں محبوب ہے۔بلکہ دونوں ہی صورتوں میں انسان کا امتحان ہے۔پہلی صورت میں اس کے صبر کا اور دوسری صورت میں اس کے شکر کا۔

۶۷۔ یعنی اللہ نے جو رزق تمہیں دیا ہے اس میں امتحان کا پہلو یہ ہے کہ تم ان حقوق کو ادا کرتے ہو یا نہیں، جو اس کے دیئے ہوئے رزق میں تم پر اپنے قرابت داروں، اور دوسرے حاجتمندوں کے تعلق سے اخلاقاً اور شرعاً عائد ہوتے ہیں۔

مسافر سے مراد وہ مسافر ہے جو مسافرت کی وجہ سے مدد کا مستحق ہو گیا ہو۔مکی دور میں قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید ان کی اخلاقی اور شرعی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔

۶۸۔ یعنی ان حقوق کی ادائیگی خالصۃً رضائے الٰہی کے لئے ہونی چاہیئے۔اس میں نام ونمود کا کوئی شائبہ نہ ہو۔

۶۹۔ یعنی فلاح پانے والے لوگ وہی ہیں جو اللہ کی رضا جوئی کیلئے کام کریں گے۔اور ان ذمہ داریوں کو پورا کریں گے، جو اس نے اپنے بندوں پر عائد کی ہیں۔

جس نے کفر کیا اس کا کفر اسی پر پڑے گا۔اور جنہوں نے نیک عمل کیا وہ اپنے ہی لئے (کامیابی کی) راہ ہموار کررہے ہیں۔(القرآن)

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹ اور جو سود تم دیتے ہو تا کہ لوگوں کے مال میں اضافہ ہو تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا ۷۰۔ اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی رضا جوئی کے لئے دیتے ہو تو یہی لوگ ہیں (اپنے مال کو) بڑھانے والے۔ ۷۱

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰ اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا پھر تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان میں سے کوئی کام بھی کرتا ہو ۷۲؟ پاک اور برتر ہے وہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱ خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے، تا کہ وہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے، تا کہ وہ رجوع کریں۔ ۷۳

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲ کہو زمین میں چل پھر کر دیکھو لوگو کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو پہلے گزر چکے ہیں ۷۴۔ ان میں سے اکثر مشرک تھے۔ ۷۵

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳ تو تم اپنا رُخ اس دین قیم (صحیح دین) کی طرف کئے رہو قبل اس کے کہ اللہ کی طرف سے وہ دن آئے جو ٹل نہیں سکتا۔ اس دن وہ الگ الگ ہو جائیں گے ۷۶۔

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴ جس نے کفر کیا اس کا کفر اسی پر پڑے گا۔ اور جنہوں نے نیک عمل کیا وہ اپنے ہی لئے (کامیابی کی) راہ ہموار کر رہے ہیں۔ ۷۷

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵ تا کہ وہ اپنے فضل سے ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے۔ یقیناً وہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔ ۷۸

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيٰحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶ اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو خوشخبری دیتی ہیں۔ تا کہ وہ تمہیں اپنی رحمت کا ذائقہ چکھائے ۷۹، اور تا کہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں، اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو، اور تا کہ تم اس کے شکر گذار بنو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَاۗءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷ ہم نے تم سے پہلے بھی رسول ان کی قوموں کی طرف بھیجے تھے اور وہ ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے تھے۔ پھر ہم نے ان لوگوں کو سزا دی جنہوں نے جرم کیا۔ اور ہم پر لازم تھی مؤمنوں کی نصرت۔ ۸۰

۷۰؎ یہ پہلی آیت ہے جس میں سود کی بے برکتی واضح کی گئی۔اور یہ اشارہ تھا اس کے شرعاً ناپسندیدہ ہونے کی طرف۔مکہ میں جو اس وقت دارالکفر ہوکر رہ گیا تھا سود کی قباحت کو ظاہر کرنے والی آیت کا نزول، گویا آغازِ شریعت ہی میں ذہنوں کو سود کی مخالفت کے رُخ پر ڈالنے کے ہم معنی تھا۔ بعد میں اس کی صریح حرمت کا حکم مدینہ میں نازل ہوا۔

(دیکھئے سورۂ بقرہ آیت ۲۷۵ تا ۲۷۹ اور نوٹ ۴۵۵؎ تا ۴۶۴؎، نیز سورۂ آل عمران آیت ۱۳۰ نوٹ ۱۶۰؎)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ سود دے کر تم یہ سمجھتے ہو کہ جس کو سود دیا اس کا مال بڑھے گا، مگر اس کا بڑھنا خیر سے خالی اور ایسا بے برکت ہوتا ہے کہ اس سے مال میں درحقیقت کوئی اضافہ نہیں ہوتا، بلکہ اللہ کی نظر میں سودی لین دین ایسا ناپسندیدہ معاملہ ہے کہ اس کے نزدیک سود کے مال کی کوڑی برابر بھی قیمت نہیں۔اور نہ سودی قرضوں پر اس کے ہاں کوئی اجر مرتب ہوتا ہے۔(بلکہ شدید گناہ کا کام ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت ۲۷۵ میں بیان ہوا)

آیت میں سود دینے کا ذکر ہوا ہے جس کی مناسبت زکوٰۃ دینے کے مقابلہ میں، جس کا ذکر بعد کے فقرہ میں ہوا ہے بالکل واضح ہے۔مطلب یہ ہے کہ سود کا دینا باعثِ خیر نہیں ہے البتہ زکوٰۃ دینا باعثِ خیر ہے۔اس طرح سود لینے والے کو غیرت دلائی گئی ہے کہ قرض دے کر جو سود لیتا ہے، اس سے بظاہر اس کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے مگر ایسا مال لینے والے کیلئے حقیقی نشوونما کا باعث نہیں بنتا، کیونکہ سود ظلم ہے اور ظلم کا انجام خسران ہی ہے۔

آیت پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت کے حالات میں اہل ایمان کیلئے سود دینے کی مجبوری رہی ہوگی۔اس لئے سود کی مذمت کرتے ہوئے نشانہ ان لوگوں کو بنایا گیا جو قرض دیکر اپنے مال کو بڑھانے کیلئے سود لیتے تھے۔

مفسرین کے ایک گروہ نے اس آیت میں 'ربا' سے مراد عطیہ اور ہدیہ لیا ہے۔اور تاویل یہ کی ہے کہ کسی کو ہدیہ اس نیت سے دینا کہ اس سے زیادہ اس سے واپس ملے گا، اگرچہ گناہ نہیں ہے لیکن شرعاً پسندیدہ بھی نہیں ہے۔مگر 'ربا' کے یہ معنی لینے کیلئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔'ربا' قرآن کی ایک اصطلاح ہے جس سے سود، یعنی وہ زیادتی ہی مراد ہے جو قرض یا واجبات (دین) میں تاخیر کی بنیاد پر وصول کی جائے۔پھر محلِ کلام بھی دلیل ہے کہ یہاں سود ہی مراد ہے۔کیونکہ اوپر کی آیت میں حاجتمندوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم ہوا۔اور یہاں حق تلفی کی وہ صورت جو سود کی شکل میں ہوتی ہے بیان ہوئی، نیز بعد والے فقرے میں سود کے بالمقابل زکوٰۃ کے بابرکت ہونے کے پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔

۷۱؎ یعنی زکوٰۃ دینے سے بظاہر مال گھٹتا نظر آتا ہے لیکن ایسے مال کی حقیقی معنی میں نشوونما ہوتی ہے۔وہ خیر و برکت کا باعث بنتا ہے اور زکوٰۃ دینے پر بہت بڑا اجر ملتا ہے۔

حدیث میں صدقہ کا اجر اس طرح بیان ہوا ہے:

"مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّيِّبَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهٖ كَمَا يُرَبِّيْ اَحَدُكُمْ فُلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ"۔ (صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ)

"جو شخص اپنی پاک کمائی میں سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرتا ہے۔۔۔۔اور اللہ صرف پاک صدقہ ہی کو قبول فرماتا ہے۔۔تو اللہ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول فرماتا ہے۔پھر اس کو صدقہ دینے والے کیلئے اس طرح نشوونما دیتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کے وہ صدقہ پہاڑ کے برابر ہوجاتا ہے۔"

۷۲؎ یعنی جب تمہارے ٹھہرائے شریک ان میں سے کوئی کام بھی نہیں کرتے تو وہ معبود کیسے ہوئے؟

۷۳؎ یہاں فساد سے مراد بدامنی ہے جو بحر و بر میں برپا ہوگئی تھی۔چنانچہ عرب کے علاقہ میں قتل و غارت گری کا ماحول تھا اور قریبی ملکوں فارس اور

روم میں تو جنگ ہی برپا تھی۔اس قتل وغارت گری اور جنگ کے اثرات سے دریاؤں اور سمندروں کے سفر بھی محفوظ نہیں تھے۔اسی صورتِ حال کو خشکی اور تری میں فساد برپا ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔اور اس کو نتیجہ قرار دیا گیا ہے لوگوں کے کرتوتوں کا۔مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے جب اللہ کی نافرمانی کی راہ اختیار کی تو ان میں اخلاقی اور عملی بگاڑ پیدا ہوا۔اور جب بگاڑ پیدا ہوا تو لوگ قتل وغارت گری اور جنگ پر آمادہ ہو گئے جس سے ہر طرف بدامنی پھیل گئی۔واضح ہوا کہ لوگوں کے غلط طرزِ عمل کے نتیجہ میں انسانی سوسائٹی امن سے محروم ہو جاتی ہے۔اور اللہ تعالیٰ دنیا میں یہ سزا انہیں ان ہی کے ہاتھوں اس لئے دلواتا رہتا ہے کہ وہ ٹھوکر کھانے کے بعد سنبھل کر چلیں اور اپنے رب کی طرف رجوع کریں۔

موجودہ زمانہ میں تو بدامنی بالکل عام ہو گئی ہے۔خون خرابہ،لوٹ مار،فسادات اور جنگوں نے دنیا کو جہنم کا نمونہ بنا دیا ہے۔جنگ کی صورت میں تو سمندر بھی محفوظ نہیں رہتے اور بڑے بڑے جہاز غرق کر دیئے جاتے ہیں۔اور لڑائی خشکی وتری ہی میں نہیں ہوتی بلکہ فضا میں بھی راکٹ چھوڑے جاتے ہیں۔ہوائی جہاز کے اغوا کے واقعات آئے دن ہوتے رہتے ہیں اور بموں کا استعمال تو بالکل عام ہو گیا ہے۔گویا انسان نے ترقی کی تو یہ کہ فضا کو بھی پُرخطر بنا دیا۔اس طرح انسانیت کے لئے امن وچین کی جگہ نہ خشکی رہی اور نہ تری اور نہ ہی فضائے آسمانی۔ہر جگہ لوگ اپنے ہی کئے کا مزہ چکھ رہے ہیں۔

۷۴۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ انعام نوٹ ۲۰۔

۷۵۔ مراد وہ قومیں ہیں جن پر عذاب آیا۔ان قوموں میں اکثریت مشرکوں ہی کی تھی۔توحید پر ایمان لانے والے بہت کم تھے اور وہی بچا لئے گئے۔

۷۶۔ یعنی لوگ اپنے عقیدہ وعمل کی بناء پر الگ الگ گروہوں میں بٹ جائیں گے۔

۷۷۔ اس طرح قرآن ہر شخص کو اس کی اپنی ذمہ داری محسوس کراتا ہے۔اور یہ دعوتِ قرآنی اور دعوتِ انبیائی کی اہم ترین خصوصیت ہے۔

موجودہ دور میں دعوتِ اسلامی کو پیش کرنے کا ایک ایسا طریقہ رائج ہو گیا ہے،جو فرد کو اس کی ذاتی ذمہ داری سے زیادہ سوسائٹی کو اس کی اجتماعی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کرتا ہے۔اور نجاتِ اخروی سے زیادہ،نجات دینوی کا فکرمند بناتا ہے۔

۷۸۔ یعنی قیامت کا سب سے اہم اور مثبت پہلو یہی ہے کہ اللہ اپنے وفادار بندوں کو اپنے فضل سے نوازے۔رہے کافر اور سرکش لوگ تو اللہ انہیں ہرگز پسند نہیں کرتا۔اور جب وہ پسند نہیں کرتا تو ان کو وہ کیوں اپنے فضل سے نوازنے لگے۔انہوں نے جیسا کیا ویسا بھریں گے۔

۷۹۔ یعنی بارانِ رحمت کا۔

۸۰۔ یعنی اگر لوگ ہواؤں اور اس قسم کی دوسری نشانیوں کے ذریعہ بھی اپنے رب کی صحیح پہچان (معرفت) حاصل نہیں کرتے،تو اللہ نے ان پر حجت قائم کرنے کیلئے رسول بھیجے۔پھر حق کے پوری طرح واضح ہو جانے کے بعد بھی جنہوں نے کفر کر کے مجرمانہ طرزِ عمل اختیار کیا ان کو آخر کار سزا دی گئی۔اور جب انہیں سزا دینے اور ہلاک کرنے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بچا لیا۔یہ اس کی نصرت تھی جو بالآخر اہلِ ایمان کے حق میں ظاہر ہوئی۔اور اللہ کا یہ پہلے سے طے شدہ فیصلہ تھا کہ وہ اس عذاب سے،جو رسول کو جھٹلانے کی صورت میں اس کی قوم پر آئے،اہلِ ایمان کو وہ بچائے گا اور فتح انہیں کے حصہ میں آئے گی۔

تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی
پکار سنا سکتے ہو، جب کہ وہ پیٹھ پھیرے چلے
جا رہے ہوں۔ (القرآن)

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ
فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا
فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَاۤ اَصَابَ بِهٖ
مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بادل اٹھاتی ہیں۔ پھر وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو آسمان میں پھیلاتا ہے اور ان کے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ پھر تم ان کے اندر سے بارش کو نکلتے ہوئے دیکھتے ہو۔ پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے برساتا ہے تو وہ یکا یک خوش ہو جاتے ہیں۔

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ
قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹ حالانکہ اس سے قبل ۸۱؎، وہ اس کے برسائے جانے سے پہلے مایوس تھے۔ ۸۲؎

فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ
اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾

۵۰ تو دیکھو اللہ کی رحمت کے آثار، کہ کس طرح وہ زمین کو اس کے مُردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ یقیناً وہ مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے ۸۳؎۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ
یَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

۵۱ اور اگر ہم باد (ناموافق) بھیج دیں اور وہ اس کو (اپنی کھیتی کو) زرد پڑی ہوئی پائیں، تو اس کے بعد وہ کفر کرتے رہ جائیں گے۔ ۸۴؎

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا
وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲ تو تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہو، جب کہ وہ پیٹھ پھیرے چلے جا رہے ہوں۔ ۸۵؎

وَمَاۤ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ
بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾

۵۳ اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے نکال کر راہ پر لا سکتے ہو۔ تم تو انہی کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور اطاعت قبول کرتے ہیں۔ ۸۶؎

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ
قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا
یَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾

۵۴ اللہ ہی ہے جس نے تم کو کمزور حالت میں پیدا کیا۔ پھر اس کمزوری کے بعد تمہیں قوت بخشی۔ پھر اس قوت کے بعد تم پر ضعف اور بڑھاپا طاری کر دیا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے ۸۷؎۔ اور وہ سب کچھ سننے والا اور بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔

وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ
مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾

۵۵ اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ وہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔ اس طرح وہ دھوکا کھاتے رہے ہیں؟ ۸۸؎

وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ
فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى یَوْمِ الْبَعْثِ ۚ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ
وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

۵۶ اور جن کو علم اور ایمان عطا ہوا تھا، وہ کہیں گے کہ اللہ کے نوشتہ (ریکارڈ) میں تم اٹھائے جانے کے دن (روزِ حشر) تک رہے ہو ۸۹؎۔ تو یہ اٹھائے جانے کا دن ہے لیکن تم جانتے نہ تھے۔

۸۱۔ یعنی ان ہواؤں کو بھیجے جانے اور ان کے بادلوں کو اٹھائے جانے سے قبل۔

۸۲۔ بارش کا نظام انسان کو دعوتِ فکر دیتا ہے اور لوگوں کی ناامیدی کو امید میں تبدیل بھی کر دیتا ہے۔ مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ نہ وہ اس بات پر غور کرتے ہیں کہ بارش کا یہ حیرت انگیز نظام کس کی قدرت کی کرشمہ سازی ہے اور نہ اس خوشی پر جو انہیں مایوسی کے بعد ہوتی ہے اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں۔

۸۳۔ یعنی مُردہ زمین کا بارش ہوتے ہی زندہ ہو جانا اللہ کی رحمت کا ظہور ہے۔ اسی طرح مُردہ انسانوں کا زندہ ہو جانا بھی اس کی رحمت کا ظہور ہوگا۔ یہ اشارہ ہے اس حقیقت کی طرف کہ دوسری زندگی کا مثبت پہلو رحمتِ الٰہی کا ظہور ہے اس کے نیک بندوں کے حق میں۔ جن لوگوں نے اپنا زر خالص ہونا دنیوی زندگی میں ثابت کر دکھایا انہیں اُخروی زندگی میں اعلیٰ مقام پر رکھا جائے اور انہیں رحمت سے مالا مال کیا جائے۔ رہا کھوٹ تو وہ آگ ہی میں جلائے جانے کے لائق ہے۔

۸۴۔ اوپر رحمت لانے والی ہواؤں کا ذکر تھا۔ یہاں آفت لانے والی ہوا کا ذکر ہے، کہ اگر ہم ایسی تند ہوا چلائیں جو کھیتوں کو ان کے سرسبز ہونے کے بعد تہس نہس کر کے رکھدے اور ان کا سبز رنگ، زرد رنگ میں تبدیل ہو کر رہ جائے، تو یہ اپنے رب سے شاکی ہو کر کفر ہی کرنے لگیں گے۔ ان کا طرزِ عمل اپنے رب کے ساتھ بہت عجیب ہے۔ اس کی نوازش پر وہ اس کا شکر ادا نہیں کرتے اور مصیبت کے پہنچ جانے پر وہ کفر کرنے لگتے ہیں۔

۸۵۔ اس کی تشریح سورۂ نمل نوٹ ۱۱۸ میں گزر چکی۔

واضح رہے کہ **سماع موتیٰ** (مُردوں کے سننے) کی تائید میں نبی ﷺ کی یہ حدیث جو پیش کی جاتی ہے کہ آپ نے بدر میں کفار کی لاشوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

هَلْ وَجَدْتُمْ مَاوَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ثُمَّ قَالَ اِنَّهُمْ الْآنَ يَسْمَعُوْنَ مَا اَقُوْلُ۔ (بخاری کتاب المغازی)

''کیا تم نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا؟ پھر فرمایا اس وقت وہ سن رہے ہیں جو میں کہہ رہا ہوں''

تو اس حدیث کا وہ مفہوم نہیں ہے جو عام طور سے سمجھا جاتا ہے چنانچہ بخاری ہی کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔

اِنَّمَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُمْ الْآنَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ الَّذِی كُنْتُ اَقُوْلُ لَهُمْ هُوَ الْحَقُّ ثُمَّ قَرَأَتْ اِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتیٰ حَتّٰی قَرَأَتِ الْاٰيَةَ۔

''نبی ﷺ نے تو یہ فرمایا کہ انہیں اب معلوم ہو گیا ہے کہ میں جو کچھ ان سے کہتا تھا وہ حق ہے پھر حضرت عائشہ نے یہ آیت اخیر تک پڑھی **اِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتیٰ** تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔۔۔۔''

اور جب قرآن واضح طور سے کہہ رہا کہ تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے تو پھر کسی بھی متعلقہ حدیث کے لازماً وہی معنی لینا ہوں گے جو قرآن کے اس بیان سے مطابقت رکھتے ہوں۔

۸۶۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ نمل نوٹ ۱۱۹۔

۸۷۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو سب سے زیادہ کمزور حالت میں ہوتا ہے، پھر رفتہ رفتہ قوت پا کر جوانی کی عمر کو پہنچتا ہے تو مضبوط اور طاقتور بن جاتا ہے۔ پھر یہ طاقت رفتہ رفتہ اس سے چھین لی جاتی ہے، چنانچہ بڑھاپے میں وہ پھر کمزور ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیلی

اور انسان کی خود اپنے معاملہ میں یہ بے بسی، اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس کا رب ہی ہے جو جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور جن مرحلوں سے چاہتا ہے اس کو گزارتا ہے۔ پھر انسان کو یہ کس طرح زیب دیتا ہے کہ قوت پا لینے کے بعد گھمنڈ کرنے لگے اور اپنے رب کو بھول جائے۔

۸۸؎ یعنی جو وقت انہوں نے موت کے بعد گزارا اس کے بارے میں وہ خیال کریں گے وہ ایک گھڑی بھر سے زیادہ نہیں تھا، حالانکہ وہ ایک مدت گذار چکے ہوں گے۔ وہ جس طرح موت اور قیامت کے درمیانی وقفہ کے بارے میں غلط اندازہ لگائیں گے، اسی طرح وہ دنیا میں بھی اپنے بارے میں غلط اندازہ لگاتے رہے ہیں۔ اور اپنی دنیوی زندگی کو جو نہایت مختصر تھی طویل خیال کرتے رہے ہیں۔ اگر اس وقت وہ اپنی دنیوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں رکھ کر دیکھتے تو وہ انہیں بہت مختصر محسوس ہوتی۔ اور وہ آخرت کو اصل زندگی سمجھ کر اس کے لئے تیاری کرتے۔ مگر دھوکے میں رہ کر انہوں نے یہ موقع کھو دیا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کے قبر (عالمِ برزخ) میں تو کافر طویل عرصہ تک عذاب بھگت چکے ہوں گے پھر وہ اس کو ایک گھڑی بھر کی بات کس طرح خیال کریں گے؟ تو اصل میں برزخ میں وہ جس حالت میں رہیں گے وہ نیند سے مشابہت رکھتی ہے۔ سورۂ یٰس میں ہے کہ جب وہ قیامت کے دن اٹھیں گے تو کہیں گے مَنۡ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا (ہماری خواب گاہوں سے ہم کو کس نے اٹھایا) اور یہ واقعہ ہے کہ نیند کی حالت میں جو کچھ انسان پر گذرتی ہے، وہ سب اول تو اسے یاد نہیں رہتا پھر نیند سے اٹھنے کے بعد اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی سوئے تھے ابھی اُٹھے۔ اس لئے اگر کافر ان واردات کو بھلا چکے ہوں جو ان کی روح پر قیامت تک گزرتی رہی اور وہ یہ محسوس کریں کہ ہم گھڑی بھر سو کر اٹھے ہیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ برزخ کے احوال کی اس نوعیت کو سامنے نہ رکھنے کی وجہ سے لوگ برزخ کے عذاب ہی کے منکر ہو جاتے ہیں، حالانکہ کافروں کے لئے برزخ کا عذاب قرآن سے ثابت ہے اور حدیث میں اس کو عذاب قبر سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کا تعلق روح سے ہے۔ کیونکہ جسم سڑ گل کر مٹی بن جاتا ہے اور کتنے ہی کافروں کی لاشوں کی قبریں بنتی ہی نہیں ہیں کیونکہ وہ جلائی جاتی ہیں۔ البتہ قیامت کے دن انسان کو جسم سمیت اٹھایا جائے گا۔ اس صورت میں کافر عذاب کی تکلیف پوری طرح محسوس کریں گے۔

۸۹؎ یعنی تم موت اور قیامت کے درمیان کی طویل مدت عالم برزخ میں گزار چکے ہو۔ یہ مدت کتنی تھی وہ اللہ ہی کو معلوم ہے اور اس کے ریکارڈ میں اس کا اندراج ہے۔

ہم نے اِس قرآن میں لوگوں (کی فہمائش) کے لئے ہر طرح
کے مضامین بیان کر دیئے ہیں۔ اور (اے نبی!) خواہ تم کوئی
نشانی لے آؤ، جنہوں نے کفر کا رویہ اختیار کر رکھا ہے، وہ یہی
کہیں گے کہ تم بالکل جھوٹے ہو۔ (القرآن)

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷ اس دن ظالموں کیلئے ان کی معذرت بے سود ہوگی اور ان سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ ۹۰؎

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

۵۸ ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کی فہمائش) کیلئے ہر طرح کے مضامین بیان کر دیئے ہیں۔ اور (اے نبی!) خواہ تم کوئی نشانی لے آؤ، جنہوں نے کفر کا رویہ اختیار کر رکھا ہے، وہ یہی کہیں گے کہ تم بالکل جھوٹے ہو۔ ۹۱؎

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹ اس طرح اللہ مہر لگا دیتا ہے ان لوگوں کے دلوں پر جو علم سے بے بہرہ رہتے ہیں۔ ۹۲؎

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

۶۰ تو صبر کرو۔ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور تمہیں ہرگز بے وزن نہ پائیں وہ لوگ، جو یقین نہیں رکھتے۔ ۹۳؎

۹۰؎ یعنی امتحان کا وقت نکل چکا ہوگا اور وہ جزا وسزا کا دن ہوگا۔ اس لئے جن لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کر کے اپنے آپ کو شرک اور کفر کی راہ پر ڈال دیا تھا، ان کی نہ معذرت قابل قبول ہوگی اور نہ ان کے لئے اس بات کا موقع ہوگا، کہ وہ توبہ کر کے اللہ سے معافی مانگیں۔ یہ موقع دنیا میں تھا جو انہوں نے کھو دیا۔

۹۱؎ یعنی جو لوگ سمجھنا چاہتے ہیں ان کے لئے قرآن کافی ہے۔ لیکن جو اپنے کفر کو چھوڑنا نہیں چاہتے وہ کوئی بڑے سے بڑا حسی معجزہ بھی نبی سے صادر ہوتے ہوئے دیکھ لیں، تب بھی وہ نبی کو جھٹلانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔

۹۲؎ یعنی جو لوگ علمِ ہدایت سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے اور اس سے دور ہی دور رہنا چاہتے ہیں، وہ رفتہ رفتہ قبولِ حق کی صلاحیت کھو دیتے ہیں۔ اور پھر نصیحت کی کوئی بات ان کے دل میں اترنے نہیں پاتی۔ اس نفسیاتی کیفیت کو دلوں پر مہر لگنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۹۳؎ یہ نبی کو اور اس کے واسطہ سے اہل ایمان کو نصیحت ہے کہ تم حالات کی ناسازگاری سے پریشان نہ ہو، بلکہ صبر کے ساتھ حق پر جمے رہو اور پورے حوصلہ اور مضبوطی کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتے رہو، تاکہ آخرت پر یقین نہ رکھنے والے تم کو بے وقعت خیال کر کے یہ رائے قائم نہ کر بیٹھیں کہ ان لوگوں کو آسانی سے دبایا جا سکتا ہے۔ بلکہ تمہاری یہ حیثیت ان پر واضح ہو جانی چاہیئے کہ یہ لوہے کے چنے ہیں جن کو چبانا آسان نہیں۔

سورۂ لقمان

۳۱۔ لقمان

نام آیت ۱۲ میں لقمان کو حکمت عطاء کئے جانے کا ذکر ہوا ہے۔ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام لقمان ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ سورۂ عنکبوت سے کچھ پہلے نازل ہوئی ہوگی۔ جب کہ مشرکین اپنی اولاد کو مشرکانہ مذہب پر قائم رہنے کیلئے مجبور کر رہے تھے۔

مرکزی مضمون دین کے معاملہ میں آدمی اپنے باپ دادا کی تقلید کرنے کے بجائے اپنی عقل وبصیرت سے کام لے۔ اور ان نشانیوں سے رہنمائی حاصل کرے جو اللہ کے الٰہ واحد ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکنے کے بجائے وحی الٰہی کی روشنی قبول کرلے، جو اس کی زندگی کو سنوارنے والی اور اسے کامیابی کی منزل کو پہنچانے والی ہے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۵ تمہیدی مضمون ہے جس میں قرآن کی اس خصوصیت کو نمایاں کیا گیا ہے کہ یہ حکمت بھری کتاب ہے، جس کا اثر قبول کرنے والوں کی زندگیاں سنورتی ہیں۔ اور وہ خدائے واحد کے سچے پرستار اور آخرت پر یقین رکھنے والے بن جاتے ہیں۔

آیت ۶ تا ۱۱ میں ان لوگوں کو بُرے انجام سے خبردار کردیا گیا ہے، جو خدا اور اس کے دین کے بارے میں علم کے بغیر باتیں کرتے ہیں۔ اور خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ایمان لانے والوں اور اپنا طرزِ عمل درست رکھنے والوں کو حسنِ انجام کی بشارت دی گئی ہے۔

آیت ۱۲ تا ۱۹ میں لقمان کی حکیمانہ نصیحتوں اور دانشمندی کی باتوں کو پیش کیا گیا ہے، جو اللہ کی عطا کردہ حکمت کے نتیجے میں ان کی زبان سے ادا ہوئی تھیں۔ یہ وہی تعلیمات ہیں جن کو قرآن پیش کر رہا ہے۔

آیت ۲۰ تا ۳۲ میں ان نشانیوں کی طرف رہنمائی کی گئی ہے، جن سے توحید اور آخرت کی راہ روشن ہوتی ہے۔

آیت ۳۳ اور ۳۴ اختتامی آیات ہیں جن میں خدا کے حضور پیشی کے دن سے ڈرایا گیا ہے۔ اور اللہ کے علیم وخبیر ہونے کی صفت کو واضح کیا گیا ہے، تاکہ آخرت کے وقوع کی جو خبر وہ دے رہا ہے اس پر یقین پیدا ہو۔

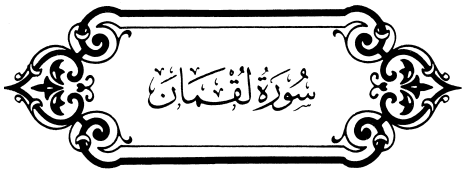

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ①

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ②

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ③

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ④

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑥

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑦

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ⑧

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑨

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑩

۳۱۔ سُوْرَةُ لُقْمَان

آیات: ۳۴

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ الف ۔ لام۔ میم۔ ۱؎

۲ یہ حکمت بھری کتاب کی آیتیں ہیں۔ ۲؎

۳ ہدایت اور رحمت نیکوکاروں کے لئے۔ ۳؎

۴ جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ۴؎

۵ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی ہیں کامیاب ہونے والے۔ ۵؎

۶ لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو غافل کردینے والا کلام خریدتے ہیں ۶؎ تاکہ بغیر علم کے ۷؎ اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) گمراہ کریں، اور ان کا (آیات کا) مذاق اڑائیں۔ ایسے لوگوں کیلئے رسوا کن عذاب ہے۔

۷ ایسے شخص کو جب ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ تکبر کے ساتھ اس طرح رُخ پھیر لیتا ہے گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں۔ گویا کہ اس کے کانوں میں گرانی ہے ۸؎ تو اسے دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔

۸ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے نعمت بھرے باغ ہوں گے۔ ۹؎

۹ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا حتمی وعدہ ہے۔ اور وہ غالب ہے حکمت والا۔

۱۰ اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا کیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو ۱۰؎۔ اس نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیئے تاکہ وہ تم کو لے کر لڑھک نہ جائے ۱۱؎ اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلا دئے۔ اور آسمان سے پانی برسایا اور زمین میں ہر قسم کی عمدہ چیزیں اگائیں۔

۱؎ حروفِ مقطعات کی تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ بقرہ نوٹ ۱؎ اور سورۂ یونس نوٹ ۱؎۔

اس سورۂ میں 'ا' کا اشارہ آیات کی طرف ہے جن کا ذکر آیت ۲، ۷، ۳۱، اور ۳۲ میں ہوا ہے۔

'ل' کا اشارہ لقمان کی طرف ہے جن کا ذکر آیت ۱۲ اور ۱۳ میں ہوا ہے۔

اور 'م' کا اشارہ محسنین (نیکوکاروں) کی طرف ہے جن کا ذکر آیت ۳ میں ہوا ہے۔

۲؎ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ یونس نوٹ ۲؎۔

۳؎ محسنین (نیکوکار) سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے احکام پر ایمان رکھتے ہوئے نہ صرف اس کے احکام کی پابندی کریں، بلکہ خوبی کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کریں اور اپنے عمل میں حسن پیدا کریں۔

۴؎ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ بقرہ نوٹ ۱۰؎۔

۵؎ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ بقرہ نوٹ ۱۱؎، ۱۲؎۔

۶؎ **لھوالحدیث** (غافل کر دینے والا کلام) سے مراد جیسا کہ سیاق کلام سے واضح ہے، خدا اور آخرت سے غافل کر دینے والا اور اس کی نشانیوں اور اس کی نازل کردہ آیتوں سے توجہ ہٹا دینے والا کلام ہے۔ اور اس کو خریدنے کا مطلب اس کو قبول کرنا اور اختیار کرنا ہے چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے: **اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْھُدٰی فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ وَمَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ**۔ (سورۂ بقرہ:۱۶)

''یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ گمراہی مول لی، تو نہ ان کا سودا نفع بخش ہوا اور نہ وہ ہدایت پا سکے۔''

یعنی ہدایت کو انہوں نے ترک کیا اور اس کے بدلے میں گمراہی اختیار کر لی۔ قرآن کے مقابلہ میں وہ جس چیز کو اپنا مشغلہ اور لوگوں کی گمراہی کا سامان بنائے ہوئے تھے، وہ دنیا کے عیش وعشرت پر آمادہ کرنے والی اور عشق ومحبت کی آگ بھڑکانے والی شاعری، (**اَلشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنَ**۔ ''اور شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ کرتے ہیں''۔ سورۂ شعراء۔ ۲۲۴) فضول قصہ گوئی، (**سٰمِرًا تَھْجُرُوْنَ**۔ ''اس کو قصہ گوئی کے لئے مشغلہ بنا کر بکواس کرتے''۔ سورۂ مؤمنون:۶۷) اور گانا جو پیشہ ور لونڈیاں گاتی تھیں۔ **لھوالحدیث** میں یہ تینوں ہی چیزیں شامل ہیں۔ کیونکہ یہ سب خدا اور آخرت سے غافل کر دینے والی باتیں ہیں۔ اور قرآن اور گانا تو بالکل ایک دوسرے کے مقابل کی چیزیں ہیں۔ چنانچہ جو لوگ گانے کے شیدائی ہوتے ہیں انہیں قرآن سننے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ حالانکہ قرآن میں ایسی حلاوت (شیرینی) ہے کہ اس کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ اور اس کی سماعت سے ایسا سوز اور ایسی رقت پیدا ہو جاتی ہے کہ روح بلندی کی طرف پرواز کرنے لگتی ہے۔ مگر اس لذت سے وہی لوگ آشنا ہوتے ہیں جو قرآن سے شغف رکھتے ہیں۔

جمہور مفسرین نے **لھوالحدیث** سے گانا ہی مراد لیا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو قسم کھا کر فرماتے تھے کہ اس سے مراد غِنَاء یعنی گانا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''**الغناء واشباھه** (تفسیر طبری ج ۲۱ ص ۳۹۔۴۰) **لھوالحدیث** گانا اور اس جیسی چیزیں ہیں''۔ ان کے علاوہ دیگر صحابہ وتابعین سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ موجودہ زمانہ میں تو گانے بجانے نے وبا کی شکل اختیار کر لی ہے۔ کہاں حیاء داری کے بارے میں اسلام کی یہ تعلیم کہ عورتیں لوچ کے ساتھ مردوں سے بات نہ کریں (**فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ**۔ ''اور مردوں سے لوچ کے ساتھ بات نہ کرو۔'' سورۂ احزاب:۳۲) اور نہ اس طرح چلیں کہ ان کے زیوروں کی جھنکار لوگوں کو سنائی دے (**وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِھِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِھِنَّ**۔ ''اور اپنے پاؤں (زمین پر) مارتی ہوئی نہ چلیں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے وہ معلوم ہو جائے۔'' سورۂ نور:۳۱)۔ اور کہاں عورتوں

کا پورے تبرج جاہلیہ کے ساتھ مردوں کے سامنے آ کر رقص وسرور کرنا اور مردوں کا آلات لہو کے ساتھ فحش اور بیہودہ گانے گانا۔ پھر جدید ذرائع ابلاغ سنیما، ریڈیو، ٹیلیویژن اور ویڈیو وغیرہ نے لوگوں کو بری طرح مسحور کر دیا ہے اور ایسا ماحول بنا دیا ہے کہ ہر گھر سنیما گھر بن گیا ہے۔ اور بچہ بچہ کی زبان پر فلمی گانے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شرم وحیاء اٹھ گئی اور شرم وحیاء کے اٹھ جانے سے زنا کاری عام ہوگئی ہے اور عصمتیں محفوظ نہیں رہیں۔ اس کا دوسرا نقصان یہ ہوا کہ سنجیدگی اور وقار لوگوں کے اندر سے رخصت ہوا اور وہ اوچھی حرکتیں کرنے لگے۔ اس کا تیسرا نقصان یہ ہوا کہ احساسِ ذمہ داری بری طرح مجروح ہوگیا اور بے پرواہی نے اس کی جگہ لے لی۔ اور اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ آدمی اپنے مقصدِ حیات کی طرف سے غافل ہوگیا۔ اب نہ وہ خدا کا کلام سننے سمجھنے کے لئے تیار ہے اور نہ تذکیر ونصیحت کی کوئی بات۔ وہ بری طرح دنیا پرستی میں مگن ہے اور واقعہ یہ ہے کہ گانے کی مدہوشی شراب کی مدہوشی سے بڑھ کر ہے۔ اگر لوگ قرآن کو گوشِ دل سے سنتے تو ہوش میں آتے۔

۷۔ جو کلام خدا اور آخرت سے غافل کر دینے والا ہو اس کا حقیقی علم سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ وہ جہالت اور جاہلیت ہی کی پیداوار ہے۔

۸۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ انعام نوٹ ۴۴۔

۹۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جنہوں نے اپنا وقت گانے بجانے، ڈھول، ڈھمکا سننے اور خرافات میں صرف کرنے کے بجائے، ایمان کی دولت کو سمیٹنے اور اپنے کو نیک اعمال سے سنوارنے میں صرف کیا، انہیں آخرت میں ایسے باغ عطا کئے جائیں گے جہاں وہ نعمتوں سے مالا مال ہونگے۔

۱۰۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ رعد نوٹ ۵۔

۱۱۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ نحل نوٹ ۲۶۔

لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو کسی کو میرا شریک ٹھہرا جس کا تجھے کوئی علم نہیں ہے، تو ان کی بات نہ مان۔ اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کر۔ اور پیروی ان کے راستہ کی کر جنہوں نے میری طرف رجوع کیا۔ پھر میری ہی طرف تم کو لوٹنا ہے۔ اس وقت میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔ (القرآن)

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۱﴾

۱۱ یہ ہے اللہ کی تخلیق ۔ اب مجھے بتاؤ اللہ کے سوا کسی نے کچھ پیدا کیا ہے؟ جو اس کے سوا (معبود بنا لئے گئے) ہیں؟ دراصل یہ ظالم صریح گمراہی میں مبتلا ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ یَّشْكُرْ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۱۲﴾

۱۲ ہم نے لقمان ۱۲؎ کو حکمت عطاء کی تھی کہ اللہ کا شکر کرو ۱۳؎۔ اور جو شکر کرتا ہے اس کا شکر کرنا اس کے اپنے ہی لئے مفید ہے۔ اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ بے نیاز (بے محتاج) خوبیوں والا ہے۔ ۱۴؎

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾

۱۳ جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا اے میرے بیٹے! اللہ کا شریک نہ ٹھہرا۔ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ ۱۵؎

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ ؕ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴿۱۴﴾

۱۴ اور ہم نے ۱۶؎ انسان کو اس کے والدین کے معاملہ میں ہدایت کی۔ اس کی ماں نے تکلیف پر تکلیف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کے دودھ چھڑانے میں لگے۔ کہ میرا شکر کر اور اپنے والدین کا ۱۷؎۔ بالآخر پلٹنا میری ہی طرف ہے۔

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵ لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو کسی کو میرا شریک ٹھہرا جس کا تجھے کوئی علم نہیں ہے ۱۸؎ تو ان کی بات نہ مان ۱۹؎۔ اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کر ۲۰؎۔ اور پیروی ان کے راستہ کی کر جنہوں نے میری طرف رجوع کیا ۲۱؎۔ پھر میری ہی طرف تم کو لوٹنا ہے۔ اس وقت میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔

یٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۶﴾

۱۶ (اور لقمان نے کہا) اے میرے بیٹے! کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر بھی ہو اور اگر وہ کسی چٹان یا آسمانوں یا زمین میں کہیں چھپی ہو تو اللہ اس کو نکال لائے گا۔ وہ نہایت باریک بیں اور باخبر ہے۔ ۲۲؎

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾

۱۷ اے میرے بیٹے! نماز قائم کر ۲۳؎، بھلائی کا حکم دے، برائی سے منع کر ۲۴؎ اور جو مصیبت پہنچے اس پر صبر کر ۲۵؎۔ یہ عزیمت (حوصلہ) کے کام ہیں۔ ۲۶؎

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾

۱۸ اور لوگوں سے بے رخی نہ کر ۲۷؎۔ اور نہ زمین پر اکڑ کر چل ۲۸؎۔ اللہ کسی خود پسند ۲۹؎ اور فخر کرنے والے ۳۰؎ کو پسند نہیں کرتا۔

وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ﴿۱۹﴾

۱۹ اپنی چال میں اعتدال اختیار کر ۳۱؎۔ اور اپنی آواز ذرا پست رکھ ۳۲؎۔ سب سے زیادہ بُری آواز گدھے کی آواز ہے۔ ۳۳؎

۱۲؎ لقمان عرب کی وہ شخصیت ہے جو حکیم اور دانا کی حیثیت سے مشہور تھی۔ ان کا ذکر شعرائے عرب کے کلام میں ملتا ہے، مگر چونکہ عربوں میں تاریخ نگاری کا رواج نہیں تھا اس لئے لقمان کے حالات منضبط نہ ہو سکے۔ رہیں روایات تو ان میں متضاد باتیں بیان ہوئی ہیں۔ اس لئے ہمیں قرآن کے ہی بیان پر اکتفا کرنا چاہئے۔ قرآن کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ:

۱۔ لقمان اللہ کے شکر گذار بندے تھے۔

۲۔ اللہ نے ان کو حکمت و دانائی عطا فرمائی تھی۔

۳۔ ان کی نظر میں شرک سب سے بڑا ظلم تھا۔

۴۔ انہیں اللہ کے کمالِ قدرت پر یقین تھا، نیز وہ جزائے عمل پر یقین رکھتے تھے۔

۵۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کی تھیں وہ نہایت زریں نصیحتیں تھیں۔ اور یہ درحقیقت عربوں کیلئے قیمتی اثاثہ تھا۔ اور اب قرآن نے اس متاعِ عزیز کی افادیت عام کر دی ہے۔

۶۔ لقمان کی نصیحتوں میں نماز قائم کرنے کی ہدایت بھی شامل ہے، جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ لقمان کی یہ نصیحتیں انبیائی تعلیم سے ماخوذ تھیں، نہ کہ مجرد تعقل (عقلیت) کا نتیجہ۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا کی تھی اس لئے انہوں نے انبیائی تعلیم کو اپنے اندر جذب کیا اور موثر پیرایہ میں بیان بھی کیا۔

حکمت سے مراد وہ فہم ہے جو عقیدہ و عمل کیلئے حق و عدل کو بنیاد بناتا ہے۔ حضرت لقمان اس فہم سے نوازے گئے تھے، اس لئے ان کی زبان سے دانشمندی کی باتیں ادا ہوئیں۔ اس سے ان عربوں کو جو قرآن کے اولین مخاطب تھے، یہ سمجھانا مقصود ہے کہ تمہارے ہی اسلاف میں لقمان جیسی دانا شخصیت بھی رہی ہے، جس کے تم خود معترف ہو۔ اس نے بھی وہی تعلیم دی تھی جو آج قرآن دے رہا ہے۔ پھر تم اپنے اس سلف صالح کی پیروی کیوں نہیں کرتے اور اپنے گمراہ آباواجداد کی پیروی ہی پر کیوں اصرار کرتے ہو؟

۱۳؎ یعنی سب سے بڑی حکمت، دانشمندی یہی ہے کہ آدمی اللہ کا شکر گذار بنے۔ شکر یہ کہ آدمی اللہ کی نعمتوں اور اس کے احسانات کا دل سے اعتراف کرے، زبان سے اس کا اقرار کرے اور اپنے رویہ کو اس کے مطابق بنالے۔ پھر علم، فہم اور دانائی بہت بڑا خیر ہے اور جس کو یہ حاصل ہو اس کو اس کی پوری قدر کرنا چاہیئے۔

۱۴؎ یعنی کسی کے شکر گذار بننے سے اللہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور نہ اس کی ناشکری کرنے سے اللہ کا کوئی نقصان ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ نہ کسی چیز کا حاجتمند ہے اور نہ اس کا لائق تعریف ہونا تمہارے تعریف کرنے پر منحصر ہے، بلکہ وہ صِفات حمیدہ (خوبیوں) سے متصف ہے اس لئے مستحق تعریف ہے، خواہ کوئی اس کی تعریف کرے یا نہ کرے۔ البتہ جو شخص اس کا شکر بجالاتا اور اس کی حمد کرتا ہے وہ اپنے فرض کو ادا کرتا ہے۔ اور اس بنا پر وہ اپنی ہی کامیابی کا سامان کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے وہ اپنی فرض ناشناسی کا ثبوت دیتا ہے اور اپنے کو ہلاکت کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔

۱۵؎ شرک بہت بڑا ظلم ہے، کیونکہ یہ اس عدل کے خلاف ہے جس پر زمین و آسمان قائم ہیں۔ نیز یہ اللہ کے معاملہ میں سب سے بڑی حق تلفی بھی ہے، کیونکہ عبادت اللہ ہی کا حق ہے، جب کہ شرک کرنے والا غیر اللہ کو بھی اس کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ علاوہ ازیں شرک کا مرتکب سخت گناہ کا ارتکاب کر کے اپنے نفس پر زبردست ظلم ڈھاتا ہے۔

مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ انعام نوٹ ۱۳۷؎۔

لقمان نے اپنے بیٹے کو شرک سے بچنے کی جو تاکید کی اس سے یہ گمان کرنا صحیح نہیں کہ بیٹا مشرک تھا۔ کیوں کہ آگے جو نصیحتیں بیان ہوئی ہیں جن میں نماز قائم کرنے کی ہدایت بھی شامل ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ مسلم تھا۔ اور حضرت لقمان نے اس میں صحیح دینی شعور پیدا کرنے اور اس کے عقیدہ کو پختہ کرنے کیلئے شرک سے بچنے کی تاکید کی۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ایک باپ اپنی اولاد کو سب سے پہلے ایسی تعلیم دے جو اس کو شرک سے باز رکھنے والی اور عقیدۂ توحید کو اس کے ذہن میں راسخ کرنے والی ہو۔

۱۶۔ اور اس کے بعد والی آیت کا مضمون اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد ہے۔ اور لقمان کے بیان پر اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے مناسب نہیں سمجھا ہوگا کہ والد خود اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت کرے، لیکن چونکہ ایک اہم بات تھی جو ان کی نصیحتوں میں شامل نہیں ہوسکتی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرما کر اس کمی کو پورا کر دیا۔

۱۷۔ ماں چونکہ تکلیف پر تکلیف جھیلتی ہے اس لئے وہ حسن سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ہے۔

حدیث میں آتا ہے: **جاءَ رجلٌ الی رسولِ اللہِ ﷺ فقال: یَا رَسُولَ اللہِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسنِ صَحَابَتِی؟ قَالَ اُمُّکَ، قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ اُمُّکَ قَالَ ثم من؟ قَالَ اُمُّکَ قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ ثُمَّ اَبُوکَ۔** (صحیح البخاری کتاب الادب)

''ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا تمہاری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا پھر تمہارا باپ۔''

آیت میں والدین کا شکر کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، جب کہ دوسرے مقامات پر حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک اس طور سے مطلوب ہے کہ ان کے ساتھ جذباتی لگاؤ بھی ہو اور زبان سے ان کے حق میں خیر کے کلمات ہی نکلیں۔ مگر اللہ کا شکر والدین کے شکر پر مقدم ہے جیسا کہ آیت سے واضح ہے۔

۱۸۔ تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ عنکبوت نوٹ ۱۰۔

۱۹۔ تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ عنکبوت نوٹ ۱۱۔

۲۰۔ یہاں 'دنیا' سے مراد مباحات (جائز باتوں) کا وہ دائرہ ہے جس میں شریعت نے معاملات کی آزادی دی ہے۔ اگر والدین غیر مسلم اور کافر ہوں تو ان کے ساتھ بھی یہ معاملات انجام دیئے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آتی ہو۔

۲۱۔ یعنی دین کے معاملہ میں پیروی ماں باپ کی نہیں کرنا ہے کہ ان کا جو بھی مذہب ہے بیٹا اسی مذہب کا پیرو بن جائے، بلکہ دین کی حقیقت اللہ کی طرف رجوع ہے۔ اس لئے ان ہی لوگوں کی راہ پر چلنا چاہیئے جنہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا تھا اور وہ ہے انبیاء علیہم السلام کی راہ۔

۲۲۔ یعنی اللہ ایسا باریک بیں اور باخبر ہے کہ اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی چیز، کسی چٹان کے نیچے یا آسمان وزمین میں کہیں چھپی ہوئی ہو تو وہ اس پر بالکل عیاں ہے۔ اور جب چاہے گا وہ اس کو باہر نکال لائے گا۔ اور جب اس کے علم اور قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں تو انسان کا چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی اس سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ اور قیامت کے دن وہ ضرور اسے لا حاضر کر دے گا۔ سورۂ زلزال میں ارشاد ہوا ہے:

فَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَرَہٗ وَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَرَہٗ۔ (زلزال: ۷۔۸)

''جس نے ذرّہ برابر بھلائی کی ہوگی اس کو وہ دیکھ لے گا اور جس نے ذرّہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے بھی دیکھ لے گا''۔

۲۳ ۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں ۔ نماز قائم کرنا انبیائی تعلیمات میں سے ہے ۔ لقمان کی حکیمانہ باتیں انبیائی تعلیم ہی سے ماخوذ تھیں ۔ اس لئے اقامتِ صلوٰۃ کی ہدایت بھی اس میں شامل تھی ۔

۲۴ ۔ معلوم ہوا کہ بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہر فرد کی ذمہ داری ہے نہ کہ صرف علماء کی ذمہ داری ۔ رہا اس فریضہ کی ادائیگی کا طریقہ تو اس کا تعلق آدمی کی اپنی استطاعت ، صلاحیت اور حالات سے ہے ۔

۲۵ ۔ جو شخص نیکیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوگا ، اس کو مخالفت کا ضرور سامنا کرنا پڑے گا ۔ کیوں کہ لوگ عام طور سے اصلاح کو قبول کرنے کے لئے آسانی سے آمادہ نہیں ہوتے ۔ اور اصلاح کی کوشش کرنے والے کو اذیت اور تکلیف پہنچاتے ہیں ۔ اس لئے اس راہ میں قدم قدم پر صبر و تحمل کی ضرورت ہوتی ہے ۔

۲۶ ۔ یعنی یہ کام چونکہ کٹھن ہے اس لئے ان کو انجام دینے کے لئے حوصلہ کی ضرورت ہے ۔ اگر آدمی میں حوصلہ ہو تو وہ آتشِ نمرود میں بھی بے خطر کود پڑتا ہے ۔ اور اگر حوصلہ نہ ہو تو معمولی خدشات کی بنا پر کلمۂ حق زبان سے نکالنے کی جرأت نہیں کرتا ۔ انسان کا عزم لوہے کی زنجیروں کو کاٹ دیتا ہے اور اس کی پست حوصلگی اس کو زنجیروں میں جکڑ دیتی ہے ۔

۲۷ ۔ لوگوں سے بے رخی تکبر کی علامت ہے ۔ آدمی میں جب احساس برتری پیدا ہو جاتا ہے تو وہ دوسروں کو خاطر میں نہیں لاتا ۔ اور یہ بہت بڑی بداخلاقی ہے ۔

۲۸ ۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بنی اسرائیل نوٹ ۵۰ ۔

۲۹ ۔ ''مختال'' کے معنی ہیں متکبر اور خود پسند ۔ خود پسندی (عُجب) دولت ، اقتدار ، قیادت ، علم اور ہنر وغیرہ کی بنا پر پیدا ہوتی ہے اور آدمی متکبرانہ انداز اختیار کرنے لگتا ہے ۔ یہاں تک کہ اس کی چال ڈھال بھی متکبرانہ ہو کر رہ جاتی ہے ۔ اس لئے حدیث میں تکبر کے ساتھ کپڑا گھسیٹتے ہوئے چلنے پر سخت وعید آئی ہے :

مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ مَخِيلَةً لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ (صحیح البخاری کتاب اللباس)

''جو تکبّر سے اپنے کپڑے کو گھسیٹتے ہوئے چلے گا اللہ قیامت کے دن اس کی طرف نہیں دیکھے گا ۔''

یہ بادشاہوں اور گھمنڈ کرنے والوں کا طریقہ ہے کہ عبا وغیرہ کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے چلیں ۔ اگر پاجامہ پینٹ وغیرہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو وہ بھی آدمی میں گھمنڈ پیدا کرتی ہے ۔ اس لئے شریعت نے یہ حد مقرر کر دی ہے کہ کپڑا ٹخنوں تک ہو اس سے نیچے نہ ہو ۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے : مَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْاِزَارِ فَفِي النَّارِ ۔ (مشکوٰۃ کتاب اللباس بروایۃ البخاری)

''تہہ بند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ آگ میں ہوگا'' ۔

اس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ آدمی ایسا لباس نہ پہنے جس سے گھمنڈ کا اظہار ہوتا ہو ۔

۳۰ ۔ ' فخور ' (فخر کرنے والا) جو اپنی بڑائی کا اظہار دوسروں پر کرے ۔ جو لوگ کم ظرف ہوتے ہیں وہی اپنے کارنامے دوسروں کے سامنے گناتے رہتے ہیں ، تاکہ ان سے داد حاصل کریں ۔ یہ ایک مذموم خصلت ہے جو اللہ کو سخت ناپسند ہے ۔

۳۱ ۔ چال میں میانہ روی اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ چال پُروقار ہو ۔ آدمی نہ سست روی کا نمائشی انداز اختیار کرے اور نہ ایسی تیز روی ، جس سے بے وقری ظاہر ہوتی ہو ۔

حدیث میں نماز کیلئے بھی دوڑنے سے منع کیا گیا ہے کہ بے وقری کا مظاہرہ نہ ہو:

اِذَا سَمِعْتُمُ الْاِقَامَةَ فَامْشُوا اِلَی الصَّلٰوۃِ وَعَلَیْکُمُ السَّکِیْنَةَ وَالْوَقَارَ وَلَا تُسْرِعُوا فَمَا اَدْرَکْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَکُمْ فَاَتِمُّوا۔ (صحیح البخاری کتاب الاذان)

''جب تم اقامت سنو تو نماز کیلئے سکون اور وقار کے ساتھ چلو۔ دوڑو مت۔ پھر جس قدر نماز مل جائے پڑھ لو اور جو چھوٹ جائے اس کو پورا کر لو۔''

یہ بات اخلاقی پہلو سے ہے۔ یعنی چال میں میانہ روی آدمی کی خصلت ہو ورنہ ضرورۃً آدمی دوڑ بھی سکتا ہے۔ مثال کے طور پر آگ کو بجھانے کیلئے، یا کسی کی جان کو بچانے کیلئے، یا مجرم کو پکڑنے کیلئے وغیرہ۔ مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ فرقان نوٹ ۹۱۔

اس سے یہ بات خود بخود واضح ہوتی ہے کہ رقص (ناچ) ایک قبیح (بری) حرکت ہے۔ کیونکہ یہ میانہ روی کے بالکل منافی ہے اور بے وقری کا کھلا مظاہرہ ہے، خواہ رقص عورت کا ہو یا مرد کا اور خواہ وہ فحش گانوں کے ساتھ ہو یا قوالی کے ساتھ وجد کی حالت میں۔

۳۲۔ یعنی بول چال میں اپنی آواز قدرے کم رکھو۔ بلند آواز سے بولنا کوئی خوبی کی بات نہیں ہے، بلکہ ناسمجھی کی علامت ہے۔ اور چیخ چیخ کر بولنے سے تو جھگڑالو پن اور تکبر کا اظہار ہوتا۔ آواز میں کسی قدر پستی ایک اچھی صفت ہے جو اپنا ایک اثر رکھتی ہے۔

آواز میں پستی بھی ایک خصلت کے طور پر مطلوب ہے، ورنہ ضروۃً آواز بلند کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مثلاً تقریر، اعلان یا اذان وغیرہ کیلئے۔

۳۳۔ بھونڈی اور کرخت آواز کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دے کر اس سے نفرت دلائی گئی ہے۔ گدھے کی آواز سننا کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ پھر انسان جو اپنا ایک اخلاقی وجود رکھتا ہے گدھے کی طرح کیوں چیخے۔

واضح رہے کہ اسلام میں ظاہر اور باطن دونوں کی اہمیت ہے۔ اور دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اچھی خصلتیں جو انسان کے ظاہر (اعضاء و جوارح) سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً آواز میں پستی، غضِ بصر، میانہ روی وغیرہ، اس کے باطن میں اچھے جذبات کی پرورش اور اچھی کیفیات پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اور بری خصلتیں بُرے جذبات کو پختہ کرنے اور بری کیفیات پیدا کرنے کا سبب بن جاتی ہیں۔ اسی طرح وہ اوصاف جو باطن سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً خلوص، محبت، ہمدردی وغیرہ عادات و اطوار کو سنوارتے ہیں اور بُرے اوصاف مثلاً حسد بغض وغیرہ بُرا کردار پیدا کرتے ہیں۔

اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر
روشنائی بن جائے، جس کو مزید سات سمندر روشنائی بہم
پہنچائیں، تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گے۔
بے شک اللہ غالب اور حکیم ہے۔ (القرآن)

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾

۲۰ تم دیکھتے نہیں ۳۴؎ کہ اللہ نے ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں تمہارے لئے مسخر کر رکھا ہے ۳۵؎۔ اور اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں ۳۶؎ پھر بھی انسانوں میں ایسے لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں کسی علم، کسی ہدایت اور کسی روشن کتاب کے بغیر جھگڑتے ہیں۔ ۳۷؎

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾

۲۱ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کی ہے تو کہتے ہیں ہم تو اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے ۳۸؎۔ کیا اس صورت میں بھی (یہ ان کی پیروی کریں گے) جب کہ شیطان، انہیں بھڑکتی ہوئی آگ کی طرف بلا رہا ہو؟ ۳۹؎

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾

۲۲ اور جو شخص اپنے کو اللہ کے حوالے کر دے اور وہ نیکوکار بھی ہو ۴۰؎، تو اس نے یقیناً مضبوط سہارا تھام لیا ۴۱؎۔ اور تمام معاملات کا سرانجام اللہ ہی کی طرف ہے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾

۲۳ جس نے کفر کیا اس کا کفر تمہارے لئے باعث غم نہ ہو۔ ۴۲؎ انہیں پلٹ کر ہماری ہی طرف آنا ہے۔ پھر ہم انہیں بتائیں گے کہ انہوں نے کیا کچھ کیا تھا۔ یقیناً اللہ سینوں کے راز تک جانتا ہے۔

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾

۲۴ ہم تھوڑے دن انہیں سامانِ زندگی دیں گے ۴۳؎۔ پھر ان کو ایک سخت عذاب کی طرف کھینچ لے جائیں گے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

۲۵ اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو ضرور کہیں گے اللہ نے ۴۴؎۔ کہو حمد اللہ ہی کیلئے ہے۔ مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ۴۵؎

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾

۲۶ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ بیشک اللہ بے نیاز ہے حمد کا مستحق۔

وَلَوْ اَنَّمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾

۲۷ اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر روشنائی بن جائے، جس کو مزید سات سمندر روشنائی بہم پہنچائیں، تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گے۔ بے شک اللہ غالب اور حکیم ہے۔ ۴۶؎

۳۴ ۔ لقمان کی نصیحتیں اوپر ختم ہوگئیں۔اب پھر کلام کا رُخ توحید کی طرف مڑ جاتا ہے۔

۳۵ ۔ تسخیر کے معنی تابع کر دینے کے بھی ہیں اور خدمت میں لگانے کے بھی۔اللہ تعالیٰ نے کتنی چیزیں انسان کے تابع کر دی ہیں کہ وہ جس طرح چاہے ان سے خدمت لے۔مثال کے طور پر جانور جن سے وہ اپنی مرضی کے مطابق خدمت لیتا ہے اور ان کو ذبح بھی کر سکتا ہے۔اسی طرح نباتات اور جمادات کہ ان کو مختلف طریقوں سے استعمال میں لاتا ہے۔لیکن بہت سی چیزیں خاص طور سے اجرام سماوی جو انسان کی دسترس میں نہیں ہیں، انسان کو کسی نہ کسی طرح فائدہ پہنچانے کا سامان کر رہی ہیں ۔مثال کے طور پر سورج جو دن رات انسان کو حرارت اور روشنی پہنچانے کے کام میں لگا ہوا ہے۔ اور فضائے بسیط میں کائناتی شعاعوں (Cosmic Rays) کا وجود جو حال ہی کی دریافت ہے۔اور ہم نہیں جانتے کہ سات آسمان ہمارے لئے کیا کیا خدمات انجام دے رہے ہیں۔لیکن مشاہدہ بتاتا ہے کہ اجرام سماوی انسان کے فائدہ کیلئے طرح طرح کے سامان کر رہے ہیں۔

۳۶ ۔ ظاہری نعمتوں سے مراد محسوس اور معلوم نعمتیں ہیں اور باطنی نعمتوں سے مراد وہ نعمتیں جن کا فائدہ تو اسے پہنچ رہا ہے لیکن وہ اس کے علم میں نہیں ہیں ۔موجودہ دور میں میڈیکل سائنس نے ایسی کتنی چیزوں کا انکشاف کیا ہے، جو انسانی جسم کے اندر مفید خدمات انجام دیتی ہیں، امراض کے خلاف مدافعت کرتی ہیں اور نشوونما میں مددگار ثابت ہوتی ہیں ۔یہ اور اس قسم کی کتنی ہی چیزیں پہلے مخفی تھیں اور اب سائنس کی ترقی کی بدولت انسان کے علم میں آ گئیں۔اور بے شمار نعمتیں ایسی ہیں جن کا انسان کو علم نہیں ہے۔

۳۷ ۔ یعنی ان نعمتوں کے حاصل ہو جانے پر جن کا ذکر اوپر ہوا۔چاہیئے تو یہ تھا کہ انسان اللہ کا شکر گذار بندہ بن جاتا لیکن کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے ناشکرے بنتے ہیں اور اس کے محسنِ حقیقی اور الٰہ واحد ہونے کے بارے میں بحثیں کھڑی کر دیتے ہیں ۔یہ بحثیں نہ علم کی بنیاد پر ہوتی ہیں، نہ ہدایت کی اور نہ ہی کسی روشن کتاب کی بنیاد پر، بلکہ محض جہالت اور وہم پرستی کی بنیاد پر ہوتی ہیں۔

علم کی تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ حج نوٹ ۵ ۔

ہدایت سے یہاں مراد توحید کی وہ نشانیاں ہیں جو انسان کے اپنے وجود میں، نیز باہر کی دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔اور خاص طور سے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے حاصل ہونے والی رہنمائی بھی۔

اور کتابِ منیر (روشن کتاب) سے مراد وحی الٰہی کے ذریعہ نازل شدہ کتاب ہے۔منیر (روشن) کی صفت ظاہر کرتی ہے کہ وہ کتاب صحیح شکل میں موجود ہو، ورنہ تحریف شدہ کتاب، ہدایت کی راہ پوری طرح روشن نہیں کر سکتی۔چنانچہ موجودہ تورات وانجیل پر جو بائبل میں درج ہیں منیر (روشن) کی صفت صادق نہیں آتی۔اور جہاں تک وید اور گیتا کا تعلق ہے ان کتابوں میں اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔اور وید کے بارے میں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کا پیش کرنے والا یا مرتب کون تھا۔پھر ان کتابوں کے مضامین بھی ان کے کلامِ الٰہی ہونے کی شہادت نہیں دیتے لہٰذا وہ قابلِ حجت نہیں ہیں۔

۳۸ ۔ بالفاظِ دیگر ہم اپنے آبائی مذہب اور قومی مذہبی کلچر پر قائم رہیں گے۔

۳۹ ۔ یعنی خدا اور مذہب کے معاملہ میں وحی الٰہی کو چھوڑ کر گمراہ آباء واجداد یا مشرکانہ قومی کلچر کی پیروی کرنا شیطان کی دعوت کو قبول کرنا ہے۔ کیونکہ شیطان جہنم کی طرف بلاتا ہے اور یہ راہ جہنم ہی کی راہ ہے۔

۴۰ ۔ واضح ہوا کہ اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی شعوری طور پر اپنے کو اللہ کے حوالے کر دے۔اور اپنی عملی زندگی میں حسن وخوبی پیدا کرے۔

۴۱ ۔ **بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى** (مضبوط سہارا) سے مراد اللہ کا دین ہے جو اللہ سے تعلق مضبوط کرتا ہے۔

۴۲ ۔ یعنی جب تم نے ان کی پوری پوری خیر خواہی کی اور ان کو سمجھانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، اس کے باوجود اگر وہ اپنے کفر پر جمے ہوئے ہیں تو تم ان کا غم کیوں کرو۔ وہ اپنے کئے کو پہنچ کر رہیں گے۔

۴۳ ۔ یعنی جو مہلت انہیں دنیا سے فائدہ اٹھانے کی مل رہی ہے وہ بہت تھوڑی ہے۔ عنقریب انہیں یہ سب کچھ چھوڑ کر یہاں سے رخصت ہونا ہوگا۔

۴۴ ۔ مشرکین عرب اللہ ہی کو خالق مانتے تھے۔

۴۵ ۔ یعنی جب کائنات کا خالق اللہ ہے تو شکر اور تعریف کا مستحق بھی اللہ ہی ہے۔ مگر اتنی موٹی بات بھی اکثر لوگ نہیں جانتے اور اسی بنا پر شرک میں مبتلا ہوتے ہیں۔

۴۶ ۔ یعنی زمین پر جتنے درخت ہیں ان سب کے اگر قلم بنا لئے جائیں، اور سمندر کو روشنائی بنا لیا جائے اور سات اور سمندروں کا اس پر اضافہ کیا جائے، تو بھی اللہ کی قدرت اور اس کی حکمت کی باتوں کو لکھنے کے لئے یہ سب ناکافی ہو جائے۔ ظاہر ہے ایک ایک ذرہ نے ابتدائے آفرینش سے جو کام انجام دیئے ہیں، ان کو قلمبند کرنے کے لئے روشنائی کا یہ ذخیرہ ہرگز کافی نہیں ہو سکتا۔ مگر اللہ کا علم اتنا وسیع ہے کہ وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اگر انسان اس کی عظمت کا صحیح تصور کر لے تو ان باتوں کو قبول کرنے میں اسے ذرا بھی تامل نہیں ہوگا جن کو قرآن پیش کر رہا ہے۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورہ کہف نوٹ ۱۳۳ ۔

لوگو! بچو اپنے رب کی نافرمانی سے اور ڈرو اس دن سے،
جب نہ کوئی باپ اپنی اولاد کے کام آئے گا اور نہ کوئی اولاد
اپنے باپ کے کام آئے گی۔ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، تو دنیا
کی زندگی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے۔ اور نہ فریب کار اللہ
کے معاملہ میں تمہیں دھوکہ میں رکھے۔ (القرآن)

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾

۲۸ تم سب کو پیدا کرنا اور پھر زندہ اٹھانا ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کو پیدا کرنا اور پھر زندہ اٹھانا ۴۷۔ بے شک اللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔ ۴۸۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِىْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾

۲۹ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں ۴۹۔ اور سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے۔ ہر ایک وقت مقرر تک چلا جا رہا ہے ۵۰۔ اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِىُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾

۳۰ یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے، اور اس کو چھوڑ کر جن دوسری چیزوں کو یہ پکارتے ہیں وہ باطل ہیں ۵۱۔ اور یہ کہ اللہ بلند (علی) و برتر (کبیر) ہے۔ ۵۲۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾

۳۱ کیا تم دیکھتے نہیں کہ کشتی سمندر میں اللہ کے فضل سے چلتی ہے تاکہ وہ تمہیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائے۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر اس شخص کیلئے جو صبر اور شکر کرنے والا ہو ۵۳۔

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

۳۲ اور جب موجیں سائبانوں کی طرح ان پر چھا جاتی ہیں تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں دین (عاجزی و بندگی) کو اُسی کیلئے خالص کرتے ہوئے ۵۴۔ پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو ان میں سے کچھ ہی لوگ اعتدال پر رہتے ہیں ۵۵۔ اور ہماری آیتوں کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو غدار ۵۶ اور ناشکرے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِىْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

۳۳ لوگو! بچو اپنے رب کی نافرمانی سے اور ڈرو اس دن سے ۵۷، جب نہ کوئی باپ اپنی اولاد کے کام آئے گا اور نہ کوئی اولاد اپنے باپ کے کام آئے گی ۵۸۔ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، تو دنیا کی زندگی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے۔ اور نہ فریب کار ۵۹ اللہ کے معاملہ میں تمہیں دھوکہ میں رکھے۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌۢ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾

۳۴ قیامت کی گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس ہے ۶۰، وہی بارش برساتا ہے ۶۱، وہی جانتا ہے کہ رحموں (ماؤں کے شکم) میں کیا ہے ۶۲۔ کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا ۶۳۔ اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا ۶۴۔ اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

۴۷ ۔ یعنی اللہ کیلئے بے شمار انسانوں کو پیدا کرنا اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ ایک انسان کو پیدا کرنا۔ اسی طرح تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ ایک انسان کو دوبارہ زندہ کرنا۔ اسی کے حکم کُن (ہوجا) سے ساری انسانیت وجود میں آ گئی، پھر اس کے حکم کُن سے مُردے کیوں نہ جی اٹھیں گے؟

۴۸ ۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جب وہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے، تو وہ تمہارے اچھے عمل کی جزا اور بُرے عمل کی سزا کیسے نہیں دے گا۔

۴۹ ۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ آل عمران نوٹ ۳۹ ۔

۵۰ ۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ رعد نوٹ ۸ ۔

۵۱ ۔ یعنی سورج اور چاند اس لئے مسخر ہیں کہ اللہ نے ان کو مسخر کر رکھا ہے۔ اگر یہ خدا ہوتے تو مسخر نہیں ہو سکتے تھے۔ اور اگر متعدد خدا ہوتے تو کائنات کا یہ نظام اس باقاعدگی کے ساتھ نہیں چل سکتا تھا۔ اس لئے یہ واضح دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ ہی الٰہ واحد ہے۔ اور اس کے سوا کسی بھی خدا کا کوئی وجود نہیں۔ اس لئے یہ مشرکین جس چیز کو بھی معبود سمجھ کر پکارتے ہیں وہ سراسر خلافِ حقیقت ہے۔

۵۲ ۔ یعنی اللہ کی شان بہت بلند ہے اور کبریائی صرف اُس کیلئے ہے۔

مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ رعد نوٹ ۲۵ ۔

۵۳ ۔ آدمی جب کشتی میں سوار ہوتا ہے تو وہ خطرات سے گھرا ہوتا ہے۔ پھر اگر کشتی طوفان سے دوچار ہو جاتی ہے تو وہ شدید خطرہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ زندگی خطرات سے گھری ہوئی ہے۔ اور وہ اللہ ہی ہے جو خطرات کے درمیان سے انسان کو صحیح سلامت گذارتا ہے۔ مگر یہ رہنمائی وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو خطرات اور مصیبت میں صبر کا دامن تھامے رہتے ہیں۔ یعنی جو حق کو پالینے اور اس پر قائم رہنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

دوسرے پہلو سے دیکھئے تو کشتی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، کیونکہ انسان کشتی اور جہاز کے ذریعہ طرح طرح کے فوائد حاصل کر لیتا ہے۔ اسی طرح جب کشتی طوفان سے صحیح سلامت نکل جاتی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہوتا ہے! مگر اس کی طرف متوجہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو احسان شناس ہوں اور اپنے رب کے شکر گذار رہنا چاہتے ہوں۔

۵۴ ۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ یونس نوٹ ۴۲ ۔

۵۵ ۔ یعنی کم ہی لوگ اس بات پر قائم رہتے ہیں کہ اللہ کو پکاریں عاجزی و بندگی کو اس کیلئے خالص کرتے ہوئے، ورنہ زیادہ تر لوگ اپنے عہد سے پھر جاتے ہیں۔

۵۶ ۔ **ختّار** (غدّار) یعنی بدعہدی کرنے والا، اللہ کے عہدِ بندگی کو توڑنے والا۔ آیت کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ کشتی کے طوفان میں گھر جانے پر تو خدا یاد آ گیا تھا اور اس سے عاجزانہ دعا کر کے اس کی بندگی کا اقرار کیا تھا۔ لیکن جب وہ ان لوگوں کو طوفان کی زد سے بچا کر خشکی پر صحیح سلامت لے آیا تو وہ اپنے اس اقرار سے پھر گئے اور اس کی آیتوں کا انکار کرنے لگے۔

۵۷ ۔ یعنی قیامت کے دن کی پیشی سے، جب ہر شخص کو اللہ کے حضور اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہوگی۔

۵۸ ۔ اور جب نہ باپ بیٹے کے کام آئے گا اور نہ بیٹا باپ کے، لہٰذا ہر شخص کو اپنی نجات کی فکر کرنا چاہیئے۔ اسے یہ سوچنا چاہیے کہ کس عقیدہ و دین کو اپنا کر میں اخروی عذاب سے بچ سکتا ہوں اور ابدی کامیابی حاصل کر سکتا ہوں۔ مگر صورتِ حال عجیب ہے۔ اولاد اسی دھرم پر قائم رہتی ہے جو ان کے ماں باپ کا دھرم ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ دھرم باطل ہونے کی بنا پر ماں باپ کو جہنم میں لے جانے والا ہوتا ہے اور اولاد کو بھی۔

۵۹ ۔ مراد شیطان ہے جو اللہ کے معاملہ میں سب سے بڑا دھوکہ باز ہے۔

۶۰ ۔ یعنی قیامت کی گھڑی کب آئے گی کسی کو بھی نہیں معلوم ۔ اس کا علم اللہ ہی کو ہے ۔ اس کی حکمت اسی بات کی متقاضی ہوئی کہ وہ اس کے وقت کو کسی پر ظاہر نہ کرے ۔ اس لئے اس بارے میں نبی سے سوال کرنا یا اس بحث میں پڑنا بے سود ہے ۔ اس بحث میں پڑنے کے بجائے آدمی کو چاہیئے کہ اس کیلئے تیاری کرے کیوں کہ قیامت بہرحال اپنے وقت پر آ کر رہے گی ۔

۶۱ ۔ یعنی اللہ اپنے منصوبہ کے مطابق بارش برساتا ہے ۔ اس لئے اس بات کا علم کہ کب اور کہاں کتنی بارش ہوگی اللہ ہی کو ہے ۔ انسان اپنے تجربات کی بنیاد پر جو اندازے مقرر کرتا ہے وہ صحیح بھی ہوتے اور غلط بھی ۔ موجودہ زمانہ میں محکمۂ موسمیات کی پیش قیاسیاں بھی لازماً صحیح نہیں ہوتیں ، نیز اس کا دائرہ بھی محدود ہوتا ہے اور وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ امسال سیلاب آئے گا یا خشک سالی ہوگی ۔ یہ ساری باتیں اللہ ہی جانتا ہے ۔

۶۲ ۔ یعنی رحم مادر میں جو جنین (Foetus) پرورش پا رہا ہوتا ہے اس کا پورا پورا علم اللہ ہی کو ہے کہ اسقاط ہو کر یہ ضائع ہوگا یا صحیح سالم بچہ پیدا ہوگا ، اس کا مزاج اور اس کی طبعی خصوصیات کیا ہوں گی ، وہ کن صلاحیتوں کا حامل ہوگا اور اس کی قوت کارکردگی کیا رہے گی ۔ جنین کے بارے میں یہ اور اس طرح کی دوسری بہت سی باتیں اللہ ہی جانتا ہے ۔ اور کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ فلاں عورت کے رحم میں افلاطون جیسی شخصیت پرورش پا رہی ہے یا اقبال جیسی شخصیت نے جنم لیا ہے ۔ اور نہ وہ یہ جانتا ہے کہ یہ بچہ آگے جا کر خیر کے کام انجام دینے والا ہے یا شر کے ۔ اللہ جو اس کی تخلیق کرتا ہے اس کیلئے ایک منصوبہ (تقدیر) بھی بناتا ہے ۔ اور وہی اس بات کا پورا پورا علم رکھتا ہے کہ رحم مادر میں کس نوعیت کی چیز وجود میں آئی ہے اور وہ آگے جا کر کیا بننے والی ہے ۔

موجودہ دور میں سائنس کی ترقی سے انسان کیلئے یہ جاننا ممکن ہوگیا ہے کہ شکم مادر میں جو جنین پرورش پا رہا ہے اس کی جنس کیا ہے ۔ یعنی وہ لڑکا ہے یا لڑکی ۔ مگر اس جزوی علم سے اس بات کی وضاحت نہیں ہوتی ، جو آیت کے اس فقرہ میں ارشاد ہوئی ہے ۔ اور جس کی وضاحت ہم نے اوپر کر دی ہے ۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس فقرہ کے مفہوم کو جنین کی صرف جنس (Sex) جاننے کی حد تک محدود سمجھ لیا جائے ، جب کہ جنس (Sex) کا علم بھی انسان کو حمل کے ابتدائی مرحلہ میں نہیں ہوتا ۔ بلکہ چار پانچ ماہ بعد فلوئیڈ ٹیسٹ (Amniocentesis Test) یا سونوگرافی (Sonography) کے ذریعہ ہوتا ہے ۔

۶۳ ۔ کمائی سے مراد محض کسب معاش نہیں ہے بلکہ اچھے بُرے اعمال بھی ہیں ۔ کسی کو نہیں معلوم کہ کل کیا حالات پیش آنے والے ہیں ، اس کا امتحان کن باتوں میں ہوگا اور وہ خیر حاصل کرے گا یا شر ۔ غرضیکہ رزق کا حصول ہو یا خیر و شر کا ، انسان کی لاعلمی کا یہ حال ہے کہ اسے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کل اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے ۔ مگر اللہ کو اس کا پورا پورا علم ہے ۔

۶۴ ۔ ضروری نہیں کہ آدمی جہاں رہتا ہے وہیں مرے ۔ بلکہ ایسے کتنے واقعات پیش آتے ہیں کہ آدمی کسی کام سے دور دراز کے علاقہ یا ملک میں چلا گیا اور وہیں اس کی موت واقع ہوگئی ۔ اور پہلے یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ اس کو فلاں ضرورت سے فلاں سرزمین کا سفر کرنا ہوگا اور وہاں اس کی موت واقع ہوگی ۔ وہ اللہ ہی ہے جو ہر ہر شخص کی موت کے وقت کو بھی جانتا ہے اور اس بات کو بھی کہ اس کو کس سرزمین میں مرنا ہے ۔

آیت کا منشا یہ واضح کرنا ہے کہ کتنی ہی قریبی چیزیں ہیں جن سے انسانوں کو سابقہ پڑتا ہے ۔ لیکن وہ نہیں جانتا کہ کب کیا چیز وقوع میں آنے والی ہے اور اس کے اس نہ جاننے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ چیز وقوع میں آنے والی نہیں ہے ۔ بلکہ اس کی لاعلمی کے باوجود یہ سب باتیں اپنے وقت پر وقوع میں آتی ہیں ۔ پھر اگر قیامت کے وقوع کا وقت انسان کو بتلایا نہیں گیا ہے تو اس سے قیامت کے وقوع کی نفی کہاں ہوتی ہے ؟ وہ وقتِ مقرر پر اسی طرح وقوع میں آئے گی جس طرح دوسری چیزیں باوجود انسان کی لاعلمی کے وقوع میں آتی ہیں ۔

حدیث میں ان پانچ چیزوں کو جن کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے ، مفاتیح الغیب (غیب کی کنجیاں) کہا گیا ہے (بخاری کتاب التفسیر) ، یعنی علم غیب کے یہ دروازے ہیں جن کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں ۔

۳۲۔ السَّجْدَۃِ

نام آیت ۱۵ میں اہلِ ایمان کا یہ وصف بیان ہوا ہے، کہ جب انہیں اللہ کی آیتوں کے ذریعے تذکیر کی جاتی ہے، تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام اَلسَّجْدَہ ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے، اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکہ کے وسطی دور میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون توحید اور آخرت کا مضمون ایسے اسلوب میں بیان ہوا ہے جو شبہات کو دور کر کے دل میں یقین پیدا کرتا ہے۔ سورۂ لقمان میں عقل و دانش سے اپیل تھی، تو اس سورۃ میں وجدان و قلب سے اپیل ہے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۳ تمہیدی آیات ہیں، جن میں واضح کیا گیا ہے کہ یہ کتاب اس لئے رسول پر نازل کی گئی ہے تاکہ وہ لوگوں کو متنبہ کرے۔

آیت ۴ تا ۹ میں توحید کو بیان کرتے ہوئے انسان کی تخلیق کا ذکر ہوا ہے۔

آیت ۱۰ تا ۱۴ میں آخرت کا مضمون ہے۔

آیت ۱۵ تا ۱۹ میں اہلِ ایمان کی بعض اہم خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے ان کے بہترین انجام کو بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۲۰ تا ۲۲ میں نافرمانوں اور جھٹلانے والوں کے انجامِ بد کو پیش کیا گیا ہے۔

آیت ۲۳ تا ۲۵ میں واضح کیا گیا ہے کہ لوگوں کی ہدایت کیلئے کتابِ الٰہی کا نزول کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے موسیٰ پر کتاب الٰہی کا نزول ہوا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل میں سے ایسے پیشوا اٹھاتا رہا، جو اس کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے رہے۔

آیت ۲۶ اور ۲۷ میں تباہ شدہ قوموں کی تاریخ سے عبرت حاصل کرنے، نیز اللہ کی ربوبیت کے مناظر کو غور سے دیکھنے کی دعوت دی گئی ہے۔

آیت ۲۸ تا ۳۰ سورہ کے خاتمہ کی آیات ہیں، جن میں منکرین کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے انہیں متنبہ کیا گیا ہے۔

حدیث حدیث میں آتا ہے کہ

کان النبی ﷺ یقرأ فِی الْفَجْرِ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ الٓمٓ تنزیل و ھل اتی علی الانسان۔ (بخاری کتاب الجمعہ)

''نبی ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الم تنزیل (سورۂ سجدہ) اور ھل اتی علی الانسان (سورۂ دھر) پڑھا کرتے تھے۔''

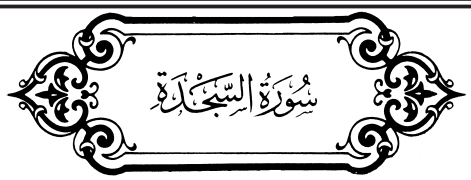

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ①

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ②

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ③

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ④

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑤

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ ⑥

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۚ ⑦

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ مَّهِيْنٍ ۚ ⑧

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ⑨

۳۲۔ سُوْرَةُ السَّجْدَةِ

آیات : ۳۰

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ الف۔لام۔میم۔ ۱؎

۲ یہ کتاب اس میں شک نہیں کہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ ۲؎

۳ کیا یہ کہتے ہیں کہ اسے اس شخص ۳؎ نے خود گھڑ لیا ہے۔ نہیں، بلکہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے، تاکہ تم خبردار کرو ایک ایسی قوم کو جس کے پاس تم سے پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا ۴؎، تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

۴ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا ۵؎۔ پھر وہ عرش پر بلند ہوا ۶؎۔ اس کے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے اور نہ (اس کے حضور) کوئی سفارشی۔ پھر کیا تم لوگ سمجھتے نہیں۔ ۷؎

۵ وہ آسمان سے زمین تک تدبیر امر کرتا ہے۔ پھر یہ امر چڑھتا (لوٹتا) ہے اس کے حضور ایک ایسے دن میں، جس کی تعداد تمہارے شمار سے ایک ہزار سال ہے۔ ۸؎

۶ وہ غیب اور حاضر کا جاننے والا اور غالب ورحیم ہے۔ ۹؎

۷ اس نے جو چیز بھی بنائی، خوب بنائی ۱۰؎۔ اور انسان کی تخلیق کا آغاز مٹی سے کیا۔ ۱۱؎

۸ پھر اس کی نسل حقیر پانی کے ست سے چلائی۔ ۱۲؎

۹ پھر اس کو درست کیا ۱۳؎۔ اور اس میں اپنی روح پھونک دی ۱۴؎۔ اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے ۱۵؎۔ تم لوگ کم ہی شکر کرتے ہو۔ ۱۶؎

ا؎ حروفِ مقطعات کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ا؎ اور سورۂ یونس نوٹ ا؎۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآن صوتی لحاظ سے بھی معجزہ ہے۔ اس لئے یہ حروف جب الگ الگ ادا کئے جاتے ہیں تو وہ صوتی ارتعاش پیدا کر کے سننے والے کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اس سورۂ میں 'ا' کا اشارہ آیات کی طرف ہے جن کا ذکر آیت ۱۵، ۲۲، ۲۴ اور ۲۶ میں ہوا ہے۔

'ل' کا اشارہ لِقَاءِ رَبِّهِمْ (اپنے رب سے ملاقات آیت ۱۰)، لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا (اس دن کی پیشی آیت ۱۴) اور لقائہ (اس کا ملنا آیت ۲۳) کی طرف ہے اور 'م' کا اشارہ مُنْتَقِمُوْنَ (ہم سزا دینے والے ہیں۔ آیت ۲۲) کی طرف ہے۔

۲؎ یعنی اس کتاب کا اللہ رب العالمین کی طرف سے نزول شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ اگر چہ قرآن کے کتابِ الٰہی ہونے کے دلائل بہ کثرت مقامات پر بیان ہوئے ہیں، لیکن متعدد مقامات پر اس دعوے کو پورے وثوق کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ کیونکہ آفتاب کی آمد اس کے آفتاب ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ قرآن کی ایک ایک آیت اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی دلیل ہے۔ اور جو شخص بھی نیک نیتی کے ساتھ اس کا مطالعہ کرے گا اس کو اس کی شناخت میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔

سورۂ بقرہ کے آغاز میں بھی یہ مضمون گزر چکا کہ اس کے کتابِ الٰہی ہونے میں شک نہیں ہے، دیکھئے سورۂ بقرہ نوٹ ۲؎۔

۳؎ مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۴؎ تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ قصص نوٹ ۹۱؎۔

۵؎ اس کی تشریح سورۂ اعراف نوٹ ۸۲؎ میں گزر چکی۔

۶؎ اس کی تشریح سورۂ اعراف نوٹ ۸۳؎ میں گزر چکی۔

۷؎ یعنی کیا اتنی واضح بات بھی تمہارے سمجھ میں نہیں آتی کہ، جس ہستی نے اس کائنات کو نہایت منصوبہ بند طریقہ پر پیدا کیا ہے اور اس کے بعد اس پر فرمانروائی کر رہا ہے، اس کو چھوڑ کر دوسرا کون ہے جو تمہارا کارساز ہو سکتا ہے اور وہ کون ہے جو اس کے سامنے تمہارے لئے سفارشی بن کر کھڑا ہوا اور تمہیں نجات کا پروانہ دلوا کر رہے؟ ایسی کسی ہستی کا اس کائنات میں وجود ہی نہیں ہے اور جو اللہ کے بالمقابل یہ زور اور یہ بل بوتا رکھتی ہو۔

۸؎ یعنی اللہ تعالیٰ اس کائنات کا منصوبہ بند طریقہ پر انتظام فرما رہا ہے۔ زمین کے لئے اس کا ایک ایک منصوبہ اور ایک ایک اسکیم ارضی یوم کے حساب سے ہزار سالہ ہوتی ہے، جب کہ اس کے نزدیک وہ مدت صرف ایک دن کی ہے، جس میں یہ منصوبہ نافذ ہو کر تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ اور پھر یہ معاملہ اسی کی طرف لوٹتا ہے یعنی بالآخر ہر چیز اسی کی طرف پلٹتی ہے اور اسی کے حضور پیش ہوتی ہے۔ یہ آیت متشابہات میں سے ہے اس لئے کسی بحث میں پڑے بغیر ہمیں اس اجمالی علم پر اکتفا کرنا چاہیئے۔ اور جہاں تک ہزار سالہ یوم کا تعلق ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو عقل سے بعید ہو۔ منطقی طور پر تو انسان سمجھ سکتا ہے کہ جس کو ہم چوبیس گھنٹے کا دن شمار کرتے ہیں وہ ایک شب وروز پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور آفتاب کے طلوع وغروب کے نتیجہ میں وجود میں آتا ہے۔ لیکن آفتاب کی سطح پر جہاں رات کا وجود ہی نہیں ہے یوم (دن) کو شمار کرنے کیلئے یہ پیمانہ بیکار ثابت ہوگا۔ اور جہاں تک موجودہ سائنس کا تعلق ہے علم الافلاک نے وقت کے تعلق سے ہماری معلومات میں زبردست اضافہ کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ اگر زمین پر شمسی سال ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے تو مریخ (Mars) پر اس حساب سے ۶۸۷ دن کا، مشتری (Jupiter) پر تقریباً ۱۲ سال کا، زحل پر ۲۹ سال کا اور پلیٹو پر ۲۴۸ سال کا۔ کیونکہ یہ سیارے اس طویل عرصہ میں سورج کے گرد اپنا چکر مکمل کر لیتے ہیں۔ یوم اور سال کا یہ تفاوت قرآن کے اس بیان کی تائید کرتا ہے کہ اللہ کے نزدیک دن کا پیمانہ اور ہے۔ اور اس کے مطابق اس کا دن ہمارے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔

مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ حج نوٹ ۸۴۔

۹۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ وہ اپنے پورے علم، کمالِ قدرت اور اپنی وسیع رحمت کے ساتھ اس کائنات کا انتظام فرما رہا ہے۔

۱۰۔ یعنی جس سے جو کام لینا تھا اس کے مناسب حال اس کو وجود بخشا۔ اس کی پیدا کردہ ہر چیز میں توازن بھی ہے اور سلیقہ بھی۔ اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا صاحبِ کمال بھی ہے اور صاحبِ جمال بھی۔

۱۱۔ یعنی آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔

۱۲۔ یعنی انسانی نسل کا سلسلہ نطفہ جیسے حقیر پانی کے ست (خلاصہ) سے چلایا۔ یہ ست موجودہ علم الجنین کی روشنی میں جرثومۂ حیات (Spermatozoon) ہے۔

۱۳۔ یعنی جنین (Embryo) کو پیدا کرنے کے بعد اس کے اعضاء درست کئے اور اس کو ٹھیک ٹھیک انسان کی شکل دی۔

۱۴۔ یعنی اس میں روح ڈال کر زندہ انسان بنایا۔

روح کی مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ حجر نوٹ ۲۷۔

مادہ پرستوں کے نزدیک روح کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ گویا انسان محض جسمانی وجود رکھتا ہے اور زندگی حرکت کا نام ہے۔ اس حرکت کے بند ہوجانے ہی کا نام موت ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر رُوح کا کوئی وجود نہیں ہے، تو وہ کیا چیز ہے جس کے غائب ہوجانے سے حرکتِ قلب بند ہوجاتی ہے اور انسان کی موت واقع ہوجاتی ہے؟ ماننا پڑے گا کہ وہ ایک لطیف اور غیر مرئی چیز ہے، جس کے نکل جانے سے انسان کا جسم ایک مردہ لاش بن کر رہ جاتا ہے۔ اور اسی چیز کا نام روح ہے جو درحقیقت اندر کا انسان ہے۔ اگر ذرہ کے اندر ایٹمی قوت پوشیدہ ہوتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان کے اندر ''روحانی قوت'' کے وجود سے انکار کیا جائے۔ پھر جسم میں تو ہر آن تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ نئے خلئے (Cells) پرانے خلیوں کی جگہ لے لیتے ہیں، یہاں تک کہ چند سال میں ایک نیا جسم پرانے جسم کی جگہ لے لیتا ہے، مگر اندر کا انسان جوں کا توں باقی رہتا ہے جسے نفس (Self) یا 'انا' (میں) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہی 'خودی' اس میں تشخص پیدا کرتی ہے اور اس کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ اس لئے روح کا انکار حقیقتِ واقعہ کا انکار ہے۔

۱۵۔ یعنی ''سننے''، ''دیکھنے'' اور ''سمجھنے'' کی بہترین صلاحیتیں عطا فرمائیں۔

۱۶۔ یعنی تم کو جو بہترین وجود بخشا گیا ہے اس کا احساس بہت کم تم میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ تم اس پر اپنے خالق کا شکر ادا کرو۔

اب چکھو مزا اس بات کا کہ تم نے اس دن کی پیشی کو بھلا دیا
تھا۔ ہم نے بھی تمہیں بھلا دیا ہے۔ اب تم اپنے کرتوتوں
کے بدلہ ہمیشگی کے عذاب کا مزا چکھو۔ (القرآن)

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ
بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ⑩

۱۰ یہ لوگ کہتے ہیں جب ہم زمین میں رَل مِل چکے ہوں گے تو کیا ہم پھر نئے سرے سے پیدا کئے جائیں گے؟ درحقیقت یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات ہی کے منکر ہیں۔ ۱۷؎

قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ
تُرْجَعُوْنَ ⑪

۱۱ کہو تم کو وفات دیتا ہے موت کا وہ فرشتہ جو تم پر مامور ہے۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ ۱۸؎

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا
وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ⑫

۱۲ اور اگر تم ان (کی اس وقت کی حالت) کو دیکھ لیتے جب یہ مجرم اپنے رب کے حضور سر جھکائے ہوں گے۔ (کہہ رہے ہوں گے) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا۔ ہمیں واپس بھیج دے ہم نیک عمل کریں گے۔ ہم یقین رکھنے والے ہیں۔ ۱۹؎

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ
لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ⑬

۱۳ اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت دے دیتے ۲۰؎ لیکن میری وہ بات پوری ہوگئی، کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دونگا۔ ۲۱؎

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِیْنٰكُمْ ؕ
وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑭

۱۴ تو اب چکھو مزا اس بات کا کہ تم نے اس دن کی پیشی کو بھلا دیا تھا۔ ہم نے بھی تمہیں بھلا دیا ہے ۲۲؎۔ اب تم اپنے کرتوتوں کے بدلہ ہمیشگی کے عذاب کا مزا چکھو۔

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ⑮ السَّجْدَةَ

۱۵ ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جنہیں اُنکے ذریعہ جب یاددہانی کرائی جاتی ہے، تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔ ۲۳؎

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫
وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ⑯

۱۶ ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے انہیں بخشا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ۲۴؎

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ
اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑰

۱۷ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے اعمال کی جزا میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان ان سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ ۲۵؎

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا یَسْتَوٗنَ ⑱

۱۸ پھر کیا وہ شخص جو مؤمن ہے اس شخص کی طرح ہوجائے گا جو فاسق ہے ۲۶؎؟ دونوں ہرگز برابر نہیں ہوسکتے۔ ۲۷؎

اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ
جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ؕ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑲

۱۹ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے، ان کیلئے رہائشی باغ ہیں ۲۸؎۔ ضیافت کے طور پر ۲۹؎ ان کے اعمال کے صلہ میں۔

۱۷؎ یعنی اصلاً ان کو اللہ کے حضور پیشی ہی سے انکار ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ جوابدہی کے تصور کو قبول کر کے اپنے کو اللہ کے احکام کا پابند بنائیں۔ اس لئے وہ پیشی کا انکار اعتراض کے اس پردہ میں کرتے ہیں، کہ انسان کا جسم تو مرنے کے بعد زمین میں مل کر ختم ہوجاتا ہے۔ پھر وہ قیامت کے دن اٹھ کھڑا کس طرح ہوگا۔

۱۸؎ یعنی مرنے پر انسان کا وجود ختم نہیں ہوجاتا بلکہ اس کا صرف جسم ختم ہوجاتا ہے۔ موت درحقیقت روح کی، جو اندر کا انسان ہے جسم سے جدائی ہے۔ اور یہ عمل بڑی باقاعدگی کے ساتھ انجام پاتا ہے۔ اللہ نے ہر شخص کی روح قبض کرنے کیلئے موت کا فرشتہ مقرر کر رکھا ہے۔ وہ وقتِ مقرر پر جان کو تن سے جدا کر کے پوری طرح اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے۔ پھر اللہ کا جو حکم ہوتا ہے اس کے مطابق وہ اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن اس روح (نفس) کیلئے اس کا جسم دوبارہ پیدا کر دیا جائے گا۔ اور وہ جسم سمیت اپنے رب کے حضور جوابدہی کیلئے کھڑا ہوگا۔

۱۹؎ یعنی قرآن جن حقیقتوں کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے، اس سے آج تو یہ لوگ انکار کر رہے ہیں۔ لیکن قیامت کے دن جب وہ ان کا مشاہدہ کرلیں گے تو اپنی پچھلی روش پر بڑے نادم ہوں گے۔ اور اپنے رب سے درخواست کریں گے کہ انہیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تاکہ وہ نیک بن جائیں۔ آج وہ جس چیز کا انکار کر رہے ہیں کل وہ اس پر یقین کا اظہار کریں گے۔ قیامت کے دن مجرموں کا جو حال ہوگا اس کی یہ ایک جھلک ہے، جو اس آیت میں پیش کی گئی ہے، تاکہ لوگ سنبھل کر چلیں اور آخرت کا انکار کر کے اپنے آپ کو مجرموں میں شامل نہ کرلیں۔

۲۰؎ یعنی حقیقت کا مشاہدہ کر لینے کے بعد امتحان کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔ اس لئے اب دنیا میں تم کو واپس بھیجنے سے کیا فائدہ؟ اگر ایمان اس طور سے مطلوب ہوتا جس میں تمہاری عقل کا کوئی امتحان نہ ہوتا، تو اللہ ہر شخص کو اس طرح ہدایت دیتا کہ پھر اس سے انحراف کرنا اس کے لئے ممکن نہ ہوتا۔

۲۱؎ مراد شیطان کے پیچھے چلنے والے انسان اور جن ہیں۔ چنانچہ سورۂ ص میں یہ بات صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے:

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ (ص:۸۵)

''میں تجھ سے اور جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے ان سب سے جہنم کو بھر دونگا۔''

۲۲؎ اللہ کی طرف سے بھلا دئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر نظرِ عنایت نہیں فرمائے گا۔ اور ان کو اس بُری حالت ہی میں چھوڑ دے گا۔

۲۳؎ منکرین کے مقابلہ میں یہ ان لوگوں کا حال بیان ہوا ہے، جو خدا کے معاملہ میں تکبر اور گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہیں اور نہ انہوں نے اپنے بندہ ہونے کے فطری احساس کو مٹا دیا ہے۔ ایسے لوگوں کو جب اللہ کی آیتیں سنا کر یاددہانی کی جاتی ہے تو ان کی اثر پذیری کا حال یہ ہوتا ہے، کہ وہ اللہ کے حضور سجدے میں گر جاتے ہیں۔ اور ان کی زبان پر حمد و ثنا کے کلمات جاری ہوجاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ آگے بڑھ کر پیغمبر کی دعوت کو قبول کر لیتے ہیں اور اللہ کی آیات پر ایمان لاتے ہیں۔

یہ آیت سجدہ ہے لہٰذا اس کی تلاوت پر سجدہ کرنا چاہیئے۔

۲۴؎ یہ ایمان لانے والوں کے ان اوصاف کا ذکر ہے جو ایمان کی بدولت ان میں پیدا ہوجاتے ہیں۔ نہ ان کی راتیں اللہ کی یاد سے خالی ہوتی ہیں اور نہ دن۔ یہاں تک کہ وہ رات کو اپنے بستر چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہوجاتے ہیں اور اس سے دعائیں مانگنے لگتے ہیں۔ ان کی یہ دعائیں بیم و رجا کے ساتھ ہوتی ہیں۔ یعنی وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کا دن محض کسب معاش کیلئے نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ وہ فلاحِ آخرت کے حصول کا بھی سامان کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ وہ اللہ کے بخشے ہوئے مال میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

۲۵۔ اس آیت میں مذکور اوصاف کے حاملین کو جو خوشخبری سنائی گئی ہے، اس کا تصور ہی دل کے سکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہے ۔ قرآن میں جنت کا جو تعارف پیش کیا گیا ہے وہ گویا ایک جھلک ہے جو الفاظ کے پیرایہ میں دکھائی گئی ہے ۔ ورنہ جنت کی نعمتوں کا اس دنیا میں کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس آیت کی بہترین تشریح وہ ہے جو حدیث میں بیان ہوئی ہے:۔

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَ تَعَالیٰ: اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَاَتْ وَ لَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَ لَا خَطَرَ عَلیٰ قَلْبِ بَشَرٍ۔

''اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا۔'' (بخاری کتاب التفسیر)

۲۶۔ فاسق کے معنی ہیں خارج از اطاعت یعنی نافرمان ۔ یہ لفظ یہاں مؤمن کے مقابلہ میں آیا ہے اس لئے اس سے مراد کافر ہے جو سرتا پا اللہ کا نافرمان ہوتا ہے۔

۲۷۔ یعنی جب دونوں کا عمل یکساں نہیں ہے، تو دونوں کا انجام یکساں کیسے ہو سکتا ہے؟

۲۸۔ یعنی ایسے باغ جہاں وہ قیام پذیر ہوں گے۔

۲۹۔ یعنی یہ باغ ان کو ایسے اعزاز و اکرام کے ساتھ عطا کئے جائیں گے کہ گویا یہ اللہ کے مہمانوں کیلئے سامانِ ضیافت ہے۔

یقیناً تمہارا رب ہی قیامت کے دن ان
باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں یہ اختلاف
کرتے رہے ہیں۔ (القرآن)

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝۲۰

۲۰ اور جنہوں نے نافرمانی کی ۳۰؎، ان کا ٹھکانہ آتشِ (جہنم) ہے۔ جب کبھی وہ اس سے نکلنا چاہیں گے، اس میں دھکیل دیئے جائیں گے۔ اور ان سے کہا جائے گا چکھو، اب اس آگ کے عذاب کا مزا، جس کو تم جھٹلاتے رہے ہو۔

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۲۱

۲۱ اور ہم انہیں اس بڑے عذاب سے پہلے دنیوی عذاب کا مزا چکھائیں گے، تاکہ یہ رجوع کریں۔ ۳۱؎

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۝۲۲ ع

۲۲ اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا، جس کو اس کے رب کی آیتوں کے ذریعہ یاددہانی کی جائے اور وہ اس سے منہ پھیرے۔ ایسے مجرموں کو ہم ضرور سزا دیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗىِٕهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝۲۳ ۚ

۲۳ ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی تھی لہٰذا تم اس (اللہ سے) کے ملنے کے بارے میں شک میں نہ پڑو ۳۲؎۔ اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کیلئے ہدایت بنایا تھا۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝۲۴

۲۴ اور ہم نے ان میں پیشوا پیدا کئے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے جب کہ انہوں نے صبر کیا۔ اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔ ۳۳؎

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۲۵

۲۵ یقیناً تمہارا رب ہی قیامت کے دن ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں یہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔ ۳۴؎

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ۝۲۶

۲۶ کیا ان کے لئے یہ چیز باعثِ ہدایت نہ ہوئی کہ ان سے پہلے ہم کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، جن کی بستیوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں ۳۵؎۔ یقیناً اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔ پھر کیا یہ لوگ سنتے نہیں؟ ۳۶؎

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَاۗءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ۝۲۷

۲۷ کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم پانی کو چٹیل زمین کی طرف لے جاتے ہیں پھر اس سے کھیتی اُگاتے ہیں جن سے ان کے مویشی بھی غذا کھاتے ہیں اور وہ خود بھی ۳۷؎۔ پھر کیا ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں؟ ۳۸؎

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۲۸

۲۸ یہ لوگ کہتے ہیں یہ فیصلہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو؟

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝۲۹

۲۹ کہو فیصلہ کے دن ایمان لانا ان لوگوں کیلئے کچھ بھی مفید نہ ہوگا جنہوں نے کفر کیا ہے۔ اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ ۳۹؎

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ۝۳۰ ع

۳۰ تو ان سے اعراض کرو اور انتظار کرو۔ یہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔ ۴۰؎

۳۰۔ مراد کافر ہیں جو اللہ کے نافرمان بنے رہے۔

۳۱۔ مراد دنیوی آفات ہیں، جن میں کافروں کو اس لئے مبتلا کیا جاتا ہے، تاکہ ان کے کرتوتوں کی سزا کی ایک قسط ان کو دنیا ہی میں مل جائے اور، تاکہ وہ چونک جائیں، اور اللہ کی طرف رجوع ہوں۔

موجودہ زمانہ میں آفتیں بھی نئے انداز سے نازل ہو رہی ہیں۔ ریل، بس اور ہوائی جہاز کے حادثات بڑے ہی المناک ہوتے ہیں۔ پھر بموں کے حادثات اور آتش زنی کی واردات کی کثرت ہے۔ اور انسان کو انسان ہی کے ہاتھوں اپنے کرتوتوں کا مزا چکھنا پڑ رہا ہے۔ مگر لوگوں کی سنگ دلی کا حال یہ ہے کہ یہ ایسے عبرتناک مناظر دیکھتے رہتے ہیں مگر اللہ کی طرف رجوع نہیں ہوتے۔

۳۲۔ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے تمام مخاطبین سے ہے۔ اور واضح کرنا یہ مقصود ہے کہ تاریخ میں یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے کہ تم کو اللہ کی طرف سے کتاب ملی۔ بلکہ اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ پیغمبروں پر کتابیں نازل کرتا رہا ہے۔ اور کون نہیں جانتا کہ اس سے پہلے موسیٰ کو کتاب عطا ہوئی تھی۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ قرآن کے عطا کئے جانے پر لوگ شک میں پڑیں۔

مزید وضاحت کیلئے دیکھئے سورۂ یونس آیت ۹۴ نوٹ ۱۴۵۔ اور سورۂ ہود آیت ۱۷۔

۳۳۔ یعنی موسیٰ کو جو کتاب عطا ہوئی تھی وہ بنی اسرائیل کیلئے باعثِ ہدایت تھی۔ اور اسی ہدایت کی بدولت ان میں ایسے قائدین اٹھے جو حکمِ الٰہی کی تعمیل میں لوگوں کی صحیح رہنمائی کرنے والے تھے۔ اللہ نے ان کو صالح قیادت کا مقام اس لئے عطا کیا تھا کہ وہ حق پر جمے رہیں اور اللہ کی آیتوں پر ان کو پورا یقین تھا۔ یعنی ان کا عقیدہ محض رسمی نہیں تھا بلکہ یقین واذعان کے ساتھ تھا۔ اور اس قیادت سے بنی اسرائیل کو نوازا گیا، جب انہوں نے صبر واستقامت اور ایمان ویقین کا ثبوت دیا۔ اس تاریخی حقیقت کو بیان کرنے سے مقصود اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اگر تم لوگ قرآن کے حامل بن کر اٹھے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بھی سربلندی عطا کرے گا اور تمہارے اندر صالح قیادت کو ابھارے گا۔

آج مسلمان اس بات کی شکایت کرتے ہیں کہ انہیں صالح قیادت میسر نہیں۔ مگر معاشرہ کا حال یہ ہے کہ انہیں جذبات سے کھیلنے والے اور جوشیلی تقریریں کرنے والے لیڈر پسند ہیں۔ وہ نہ قرآن کی رہنمائی میں چلنے کیلئے آمادہ ہیں اور نہ وہ صالحین کی باتوں پر کان دھرتے ہیں۔ ایسی صورت میں صالح قیادت کس طرح اُبھر سکتی ہے؟

۳۴۔ اوپر کی آیت میں بنی اسرائیل کے عروج کا ذکر تھا۔ اور اس آیت میں ان کے زوال کی حالت بیان ہوئی ہے۔ ان کے زوال کی اصل وجہ دین کی واضح اور بنیادی باتوں کے سلسلہ میں ان کا اختلاف میں پڑنا اور کج بحثیوں میں مبتلا ہونا ہے۔ ان اختلافات کا آخری فیصلہ اللہ ہی کی عدالت میں ہوگا جس کیلئے قیامت کا دن مقرر ہے۔

۳۵۔ خطاب مشرکین عرب سے ہے، جن کا گزر عاد، ثمود، قوم شعیب اور قوم لوط کی تباہ شدہ بستیوں کی طرف سے ہوتا تھا۔

۳۶۔ یعنی ان واقعات میں عبرت کی جو باتیں ہیں ان کو قرآن کھول کھول کر بیان کر رہا ہے، مگر یہ لوگ کچھ سنتے سمجھتے نہیں ہیں۔

۳۷۔ یعنی کیا اس میں اللہ کی ربوبیت اور اس کی قدرت کی نشانیاں انہیں دکھائی نہیں دیتیں؟ اور کیا یہ مشاہدہ ان میں اس بات کا یقین پیدا نہیں کرتا کہ اللہ مُردہ کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

۳۸۔ یعنی مؤمنوں اور کافروں کے درمیان جس فیصلہ کی تم خبر دے رہے ہو۔ اور کہہ رہے ہو کہ اس فیصلہ میں مؤمن ہی کامیاب ہوں گے اور کافر جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے، تو یہ بات کب وقوع میں آئے گی؟

۳۹ ۔ یعنی تمہیں اس بحث میں پڑنے کے بجائے کہ وہ فیصلہ کن گھڑی کب آئے گی؟ اس بات کی فکر کرنا چاہیئے کہ اس روز تم اپنا بچاؤ کس طرح کرسکو گے کیونکہ وہ گھڑی تو لازماً آ کر رہے گی۔ اس وقت اگر تم ایمان لانا چاہو تو چونکہ امتحان کا وقت گزر چکا ہوگا۔ اس لئے اس وقت تمہارا ایمان لانا بالکل بے سود ہوگا۔ اور جو مہلت تمہیں آج مل رہی ہے وہ دوبارہ ملنے والی نہیں۔

۴۰ ۔ یعنی اگر یہ اس قوی حجت اور یقین پیدا کرنے والی ان آیتوں کے باوجود ایمان لانے کیلئے آمادہ نہیں ہیں، تو اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دو اور اس گھڑی کا انتظار کرو جب اللہ تعالیٰ اپنے فیصلہ کو نافذ فرمائے گا۔ ان لوگوں کو بھی تو اُسی کا انتظار ہے۔

۳۳۔ الاَحزَاب

نام آیت ۲۰ میں احزاب یعنی ان گروہوں کا ذکر ہوا ہے، جنہوں نے اہلِ ایمان کے خلاف متحد ہو کر مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ اس مناسبت سے اس سورۂ کا نام احزاب ہے۔

زمانۂ نزول مدنی ہے۔ اور غزوۂ احزاب کے بعد نازل ہوئی، جو شوال ۵ھ میں پیش آیا تھا۔

مرکزی مضمون منصبِ رسالت، اس کے تقاضے اور رسول کے ساتھ اہلِ ایمان کا رویہ واقعات کی روشنی میں۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۳ تمہیدی آیات ہیں جن میں نبی ﷺ کو کافروں اور منافقوں کی باتوں میں نہ آنے اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے وحیِ الٰہی کی اتباع کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

آیت ۴ تا ۸ میں منہ بولے بیٹے کی رسم کی اصلاح پر زور دیتے ہوئے نبی ﷺ سے اہلِ ایمان کے تعلق کو، نیز آپ کی ازواج کے مقام کو واضح کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس عہد کی یاد دہانی بھی کرائی گئی ہے، جو ہر نبی سے اللہ کے دین کی مخلصانہ پیروی کے سلسلہ میں لیا گیا تھا۔

آیت ۹ تا ۲۷ میں غزوۂ احزاب اور غزوۂ بنی قریظہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بات کو نمایاں کیا گیا ہے، کہ ان نازک حالات میں کس طرح نصرتِ الٰہی کا ظہور ہوا؟ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اہلِ ایمان کی کارسازی کے لئے اللہ کافی ہے۔ لہٰذا ان کو چاہئے کہ کسی کی پرواہ کئے بغیر اسی کے بھروسہ پر اپنی دینی ذمہ داریوں کو انجام دیں۔

آیت ۲۸ تا ۳۴ میں نبی ﷺ کی ازواج سے خطاب کر کے ان پر اپنا مقام اور اس مناسبت سے ان کی ذمہ داریاں واضح کی گئی ہیں۔

آیت ۳۵ تا ۴۰ میں منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح نہ کرنے کی رسم کے خاتمہ کا اعلان کیا گیا ہے۔ اور اس حکم کی اصلاح کے سلسلہ میں حضرت زینبؓ سے نبی ﷺ کے نکاح کے واقعہ کو پیش کیا گیا ہے۔

آیت ۴۱ تا ۴۴ میں اہلِ ایمان کو ذکرِ الٰہی کی ہدایت کرتے ہوئے رحمت اور اجرِ کریم کی بشارت دی گئی ہے۔

آیت ۴۵ تا ۴۸ میں نبی ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے آپ کی شانِ نبوت کو واضح کیا گیا ہے۔

آیت ۴۹ تا ۵۲ میں پہلے طلاق کا ایک مسئلہ بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد نبی ﷺ کو آپ کی ازواج کے تعلق سے خاص احکام دیئے گئے ہیں۔

آیت ۵۳ تا ۶۲ میں پردے کے احکام دیئے گئے ہیں۔

آیت ۶۳ تا ۶۸ میں قیامت اور آخرت کا ذکر کیا گیا ہے۔

آیت ۶۹ تا ۷۳ میں اہلِ ایمان کو اپنی ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے منافقین کو تنبیہ کی گئی ہے۔

قرآن میں شک پیدا کرنے والی روایتیں:

روایتوں میں بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جو یہ تاثر دیتی ہیں کہ سورۂ احزاب میں دو سو آیتیں تھیں۔ لیکن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف لکھا

تو وہ اتنی ہی آیتیں لکھ سکے، جتنی کہ اس وقت قرآن میں موجود ہیں۔ اس روایت کو نقل کر کے علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا کچھ حصّہ ضائع ہوگیا۔ لیکن ایسی روایت موضوع (گھڑی ہوئی) ہی ہوسکتی ہے۔ درحقیقت ہر وہ روایت جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ قرآن کا کچھ حصہ ضائع ہوگیا ہے، یا تو موضوع ہے یا قابل تاویل ہے۔ (یعنی اس کا مفہوم کچھ اور ہے)۔ (تفسیر روح المعانی ج ۷ ص ۱۴۲)

واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں جب مختلف فرقے وجود میں آ گئے تو انہوں نے اپنے عقائد اور اپنے مسلک کی تائید میں بہ کثرت روایتیں گڑھیں۔ اور اُن کو اس طرح خلط ملط کر دیا کہ صحیح اور غلط میں تمیز مشکل ہوگئی۔ خاص طور سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں غلو کرنے والوں اور امامت کا عقیدہ ایجاد کرنے والوں نے تو اس کثرت سے روایتیں گڑھیں، کہ دین کی بنیادیں ہل گئیں اور قرآن کے بارے میں یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی کہ اس کی کچھ آیتیں غائب کر دی گئی ہیں۔ یا اس کے الفاظ غائب کر دیئے گئے ہیں مثلاً: سورۂ احزاب کی آیت ۷۱۔

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگا وہ بڑی کامیابی حاصل کرے گا۔'' کے بارے میں شیعوں کی اہم ترین کتاب اصول الکافی میں ابوبصیر کی روایت ہے کہ حضرت جعفر صادق نے فرمایا۔ یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی **وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (فِي وِلَايَةِ عَلِيٍّ وَوِلَايَةِ الْاَئِمَّةِ مِنْ بَعْدِهٖ) فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔** یعنی جو کوئی علی اور ان کے بعد کے ائمہ کی ولایت کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا بڑی کامیابی حاصل کریگا۔ (اصول الکافی ج ۱ ص ۴۲۳ المکتبہ الاسلامیہ طہران)

اسی طرح اصول الکافی میں حضرت جعفر صادق سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت لے کر نازل ہوئے تھے۔ **يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا (فِي عَلِيٍّ) نُوْرًا مُّبِيْنًا** یعنی اے اہلِ کتاب ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے علی کے بارے میں نازل کیا ہے۔ جو نور مبین ہے (اصول الکافی ج ۱ ص ۳۴۵) لیکن یہ آیت قرآن میں کہیں نہیں ہے۔ بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن میں اختلافِ قرآن کے نام سے بعض آیتوں میں کچھ الفاظ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ سورۂ احزاب کی آیت ۶ میں **وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ** (پیغمبر کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں) **وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ** (اور پیغمبر مسلمانوں کے باپ ہیں) کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ قرآن میں زانی کی سزا کیلئے آیت رجم **(الشیخ والشیخۃ** الخ) تھی۔ مگر بعد میں اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۶۵) یا یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں آخری دو سورتیں یعنی معوذتین موجود ہی نہیں تھیں۔ اس قسم کی روایتیں گڑھ کر بہت بڑے فتنہ کا سامان کیا گیا۔ اور افسوس ہے کہ تفسیروں میں اس قسم کی روایتوں نے جگہ پالی، حالانکہ یہ روایتیں اپنے متن (مضمون) ہی کے اعتبار سے رد کرنے کے قابل تھیں۔ کیونکہ قرآن کریم نے اپنی حفاظت کی خود ضمانت دی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (حجر۔۹)

''بلاشبہ یہ یاددہانی والا قرآن ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' اور یہ بات تواتر اور قطعیت کے ساتھ ثابت ہے۔ اور اس پر امت کا اتفاق ہے کہ جو مصحف آج ہمارے پاس موجود ہے وہ مکمل قرآن ہے اور اس میں ایک سوشہ کا بھی فرق نہیں ہوا۔ رہا قرأت کا فرق تو اس کی گنجائش اسی حد تک ہوسکتی ہے جس حد تک کہ معنی کا فرق واقع نہ ہوتا ہو۔ مثلاً سورۂ غاشیہ میں لفظ **مصیطر** کا تلفظ **ص** سے بھی درست ہے اور **س** سے بھی۔ لیکن جو روایتیں قرأت کے ایسے فرق کو بیان کرتی ہیں جن سے معنی کا فرق واقع ہوجاتا ہے وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہوسکتیں۔

امام رازی لکھتے ہیں:

’’شاذ قرأت متواتر قرأت کو باطل نہیں کرسکتی ۔اس لئے ہم اپنے مسلک کے اثبات میں متواتر قرأت پر اعتماد کرتے ہیں اوراس لئے بھی کہ جو قرأت شاذ ہووہ ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے، کیونکہ ہمارے نزدیک اس کی حیثیت ہرگز قرآن کی نہیں ہے۔اگر وہ قرأت قرآن ہوتی توضرور متواتر ہوتی ۔اوراگر ہم اس بات کی گنجائش نکال لیں کہ قرآن کا ایک حصہ تواتر کے ساتھ منتقل نہیں ہوا ہے،تو ہم رافضیوں اور ملحدوں کے لئے قرآن میں طعن کرنے کا دروازہ کھولیں گے ۔اور کہا جاسکے گا کہ قرآن میں ایسی آیتیں تھیں جو علیؓ کی امامت کا نصی ثبوت تھیں لیکن وہ ہم تک نہیں پہنچیں ۔اور یہ بھی کہا جاسکے گا کہ اس میں بہت سے شرعی احکام کو منسوخ کرنے والی آیتیں بھی تھیں لیکن وہ بھی ہم تک نہیں پہنچیں ۔مگر یہ اس بنا پر باطل ہے کہ اگر یہ حصہ قرآن کا جزء ہوتا توضرور متواتر ہوتا اور جب یہ متواتر نہیں ہے تو لازماً قرآن نہیں ہے۔پس ثابت ہوا کہ قرأت شاذہ ہرگز حجت نہیں ہے۔(التفسیر الکبیر ج ۱۱ ص ۲۲۷)

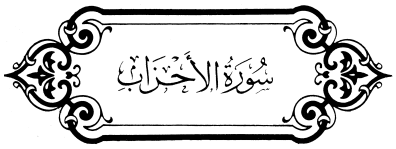

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الۡكٰفِرِیۡنَ وَالۡمُنٰفِقِیۡنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیۡمًا حَكِیۡمًا ۙ﴿۱﴾

وَّاتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ۙ﴿۲﴾

وَّتَوَكَّلۡ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیۡلًا ﴿۳﴾

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنۡ قَلۡبَیۡنِ فِیۡ جَوۡفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزۡوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔیۡ تُظٰهِرُوۡنَ مِنۡهُنَّ اُمَّهٰتِكُمۡ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدۡعِیَآءَكُمۡ اَبۡنَآءَكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ قَوۡلُكُمۡ بِاَفۡوَاهِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ یَقُوۡلُ الۡحَقَّ وَهُوَ یَهۡدِی السَّبِیۡلَ ﴿۴﴾

اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَمَوَالِیۡكُمۡ ؕ وَلَیۡسَ عَلَیۡكُمۡ جُنَاحٌ فِیۡمَاۤ اَخۡطَاۡتُمۡ بِهٖ وَلٰكِنۡ مَّا تَعَمَّدَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۵﴾

اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَاَزۡوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمۡ ؕ وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰی بِبَعۡضٍ فِیۡ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُهٰجِرِیۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَفۡعَلُوۡۤا اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓئِكُمۡ مَّعۡرُوۡفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الۡكِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ﴿۶﴾

۳۳۔ سُوۡرَۃُ الۡاَحۡزَابِ

آیات : ۷۳

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ اے نبی ! اللہ سے ڈرو اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو ۲۔ بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے۔ ۳

۲ پیروی کرو اس وحی کی جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر کی جارہی ہے ۴۔ تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اس سے اللہ باخبر ہے۔

۳ اور اللہ پر توکل کرو ۵۔ وہ کارسازی کیلئے کافی ہے۔

۴ اللہ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں رکھے ۶۔ اور نہ اس نے تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو (یعنی یہ کہتے ہو کہ وہ تمہارے لئے ماں کی پیٹھ ہیں) تمہاری مائیں بنایا ہے ۷۔ اور نہ ہی اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے بیٹے بنادیا ہے ۸۔ یہ تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں ۹۔ مگر اللہ حق بات کہتا ہے اور وہی صحیح راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ۱۰

۵ ان کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو ۱۱۔ یہ اللہ کے نزدیک منصفانہ بات ہے ۱۲۔ اور اگر تم کو معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں ۱۳۔ اس بارے میں جو غلطی تم سے سرزد ہوئی اس کیلئے تم پر کوئی گرفت نہیں۔ البتہ اس بات پر ضرور گرفت ہوگی جس کا قصد تم نے دل سے کیا ۱۴۔ اللہ معاف کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

۶ نبی، مومنوں کیلئے ان کی اپنی جان سے زیادہ کا حقدار ہے ۱۵۔ اور اس کی ازواج ان کی مائیں ہیں ۱۶۔ اور اللہ کے قانون میں رحمی (خون کے) رشتہ دار عام مومنین ومہاجرین کے مقابلہ میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ تم اپنے رفیقوں کے ساتھ کوئی بھلائی کرو ۱۷۔ یہ حکم کتابِ الٰہی میں لکھا ہوا ہے۔ ۱۸

۱۔ نبی کے معنی ہیں اللہ کے بارے میں خبر دینے والا۔(لسان العرب ج ۱ ص ۱۶۲)اور قرآن کی اصطلاح میں اس سے مراد وہ شخص ہے جس پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہو۔اور وہ اس خاص ذریعۂ علم کی بنا پر لوگوں کو اللہ کے بارے میں خبریں دیتا ہو اور اس کے احکام سناتا ہو۔

یہاں خطاب قرآن کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ سے ہے۔قرآن میں آپ کو آپ کے نام کے ساتھ کہیں بھی خطاب نہیں کیا گیا ہے، بلکہ منصبِ نبوت کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے۔یعنی ''یا محمد'' نہیں کہا گیا ہے بلکہ **یاایھاالنبی** فرمایا گیا ہے جس سے شان نبوت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔اور آپ کے بارے میں خاص آداب کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت بھی ملتی ہے۔کیونکہ آپ وقت کے نبی ہیں۔

۲۔ نبی ﷺ کو یہ تاکیدی حکم ایک ایسے موقع پر دیا گیا جب کہ عائلی زندگی (Family Life) سے متعلق ایک مسئلہ میں اصلاحی قدم اٹھانا ضروری تھا۔اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت آپ کی من گھڑت چیز نہیں ہے، بلکہ اللہ کے احکام پر مبنی ہے جس کی پابندی آپ پر بھی لازم تھی۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی شرعی حکم کی تعمیل میں جب کہ وہ رائج الوقت طور طریقہ کے خلاف ہو کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہئے۔اور نہ کافروں اور منافقوں کے طنز و تشنیع اور ان کی طرف سے کئے جانے والے غلط پروپیگنڈہ کی کوئی پروا کرنا چاہیئے، بلکہ اللہ کا ایسا تقویٰ اختیار کرنا چاہئے کہ ایسی تمام باتیں بے وزن قرار پائیں۔

۳۔ اللہ علم و حکمت والا ہے اس لئے اس کے نازل کردہ شرعی احکام سرتاسر علم و حکمت پر مبنی ہیں۔

۴۔ وحی الٰہی کی اتباع کا حکم نبی ﷺ کو بھی دیا گیا ہے اور آپ کے توسط سے تمام لوگوں کو بھی۔اس وحی نے جو آپ پر نازل ہوئی انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو اپنے دائرہ میں لے لیا ہے۔اس لئے اتباع کا مطلب مخصوص مذہبی معاملات ہی میں اتباع کرنا نہیں بلکہ تمام معاملات میں اتباع کرنا ہے۔اس اصولی ہدایت کے پیش نظر زندگی کو سیکولر اور غیر سیکولر خانوں میں تقسیم کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

۵۔ یعنی احکام الٰہی پر چلنے کی بنا پر جن مخالفتوں کا تمہیں سامنا کرنا پڑے ان کا کوئی اثر قبول نہ کرو۔بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھو وہ تمہارے کام بنائے گا اور تمہیں بامراد کرے گا۔

توکل، صالح عقیدہ کا ثمرہ ہے۔یہ قلب کو یقین سے بھر دیتا اور حق پر جما دیتا ہے۔

۶۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس ساخت میں پیدا کیا ہے اس کے لحاظ سے اس کے اندر ایک ہی شخصیت کارفرما ہے۔لہٰذا ایک عورت اپنی اولاد کی تو ماں ہے، لیکن اس کے شوہر کے اس کو ماں کہہ دینے سے وہ اس کی ماں نہیں بن جاتی۔اسی طرح ایک شخص کی اولاد وہ ہے جو اس کے صلب سے پیدا ہوئی، لیکن کسی کو محض بیٹا کہہ دینے سے نہ وہ اس کا باپ بن جاتا ہے اور نہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا۔

اس کے علاوہ اس فقرہ میں یہ معنی مضمر ہیں کہ ہر شخص میں اس کی اپنی خلقت کے اعتبار سے عزم و ارادہ رکھنے والی ایک ہی شخصیت (نفس) کار فرما ہے، لہٰذا وہ یا تو مؤمن ہوسکتا ہے یا کافر۔ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ مؤمن بھی ہو اور کافر بھی، لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مؤمن ظاہر کرتا ہے اور اپنے دل میں کفر کو چھپائے ہوئے ہے تو وہ حقیقت میں کافر ہے۔اور متضاد باتیں اپنے اندر جمع کرنے کی بنا پر منافق کہلانے کا مستحق ہے۔

۷۔ زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا کہ تو میرے لئے ماں کی پیٹھ (ظہر) کی طرح ہے تو وہ اس کے لئے حرام ہوجاتی۔پھر وہ اس سے نہ زوجیت کا تعلق رکھ سکتا تھا اور نہ اس کو طلاق قرار دے سکتا تھا۔قرآن نے جاہلیت کے اس طریقہ کی اصلاح فرمائی جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے اور اس کے بارے میں تفصیلی حکم سورۂ مجادلہ میں بیان ہوا ہے۔

یہاں یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ کسی شخص کے اپنی بیوی کو ماں کہہ دینے سے وہ ماں نہیں بن جاتی۔کیونکہ یہ بات خلافِ واقعہ ہے اس لئے ایسی بات کہنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

۸ ؎ زمانہ جاہلیت میں منہ بولے بیٹوں (متبنّٰی ۔ لے پالک) کو صلبی (حقیقی) بیٹوں کا درجہ دیدیا گیا تھا۔ کوئی شخص اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے اس کے طلاق دینے کے بعد نکاح نہیں کرسکتا اور منہ بولا بیٹا اس کا وارث ہوتا تھا۔ مگر چونکہ کسی کو بیٹا کہہ دینے سے وہ حقیقت میں بیٹا نہیں بن جاتا اس لئے صلبی بیٹے سے متعلق جو شرعی احکام ہیں وہ اس پر منطبق نہیں ہوتے ۔ یہ آیتیں اسی رسم کی اصلاح کے سلسلے میں نازل ہوئیں اور نبی ﷺ نے اصلاح کیلئے عملی نمونہ بھی پیش فرمایا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

واضح رہے کہ اسلام اس بات سے نہیں روکتا کہ کوئی مسلمان اپنے گھر میں کسی یتیم، لاوارث یا نادار بچہ کی پرورش کرے، بلکہ وہ اسے بہت بڑی نیکی قرار دیتا ہے۔ لیکن وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کو حقیقی بیٹا قرار دیا جائے۔ اس سلسلہ میں اس نے درج ذیل پابندیاں عائد کی ہیں:

۱) لڑکے کو اس کے باپ کی نسبت سے پکارا جائے یعنی اس کی ولدیت اس کے حقیقی باپ کی طرف ہو۔

۲) اس کی بیوی پرورش کرنے والے کی بہو نہیں ہوجاتی کہ اس کے طلاق دینے یا مرجانے کے بعد اس کے ساتھ اس کا نکاح نہ ہوسکتا ہو۔

۳) وہ اپنے پرورش کرنے والے کا وارث نہیں ہوسکتا۔ البتہ پرورش کرنے والا اگر اس کے حق میں وصیت کرنا چاہے تو وصیت کے اسلامی قانون کے مطابق ایک تہائی کی حد تک وصیت کرسکتا ہے۔

۴) وہ گھر کی خواتین کیلئے نامحرم ہوگا۔ اور اس کے بالغ ہوجانے کے بعد ان کو اس کے معاملہ میں بھی ''پردہ'' کی ان پابندیوں کا لحاظ کرنا ہوگا، جو نامحرموں کے سلسلہ میں ان پر شریعت نے عائد کی ہیں۔

موجودہ دور میں سیکولر حکومتیں ایسی قانون سازی کرتی ہیں کہ لے پالک (Adopted Son) کو حقیقی بیٹے کا درجہ حاصل ہوجائے۔ اور اس کو نادار اور بے کس بچوں کے ساتھ ہمدردی اور ان کی کفالت کے مسئلہ کے حل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ مگر اس سے عائلی زندگی میں جو بے اعتدالیاں ہوجاتی ہیں اور خونی رشتہ داروں کی جو حق تلفی ہوجاتی ہے اس کو بالکل نظر انداز کردیا جاتا ہے۔ جب کہ نادار اور بے کس بچوں کے ساتھ ہمدردی اور ان کی کفالت کے مسئلہ کو حل کرنے کی دوسری مناسب صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں اور یہ وہی صورتیں ہوسکتی ہیں جو شرعی حدود سے متجاوز نہ ہوں۔

۹ ؎ یعنی ایسی باتوں کو شریعت کا درجہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

۱۰ ؎ یعنی اللہ ہی کی رہنمائی حق ہے اور اس کے مقابلہ میں کسی بھی رسم اور قانون کی رہنمائی باطل ہے۔

۱۱ ؎ یعنی منہ بولے بیٹے کو اس شخص کی نسبت سے نہ پکارو جس نے اس کی پرورش کی ہے، بلکہ اس کو اس کے حقیقی باپ کی نسبت سے پکارو کہ اس سے نسبت بھی ثابت ہوتی ہے اور ہر پہلو سے یہ منصفانہ بات ہے۔ حضرت زید کی نبی ﷺ نے ایک بیٹے کی طرح پرورش کی تھی اس لئے انہیں لوگ زید بن محمد کہہ کر پکارتے تھے۔ مگر اس آیت کے نزول کے بعد انہیں زید بن حارثہ کہہ کر پکارنے لگے۔

اس آیت سے ضمناً یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ آدمی کو اپنا نسب باپ کے تعلق سے ظاہر کرنا چاہئے یعنی فلاں ابن فلاں یا فلاں بنت فلاں۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن فلاں ابن فلاں کہہ کر ہی پکارا جائے گا۔ اس سلسلہ میں ایک استثناء حضرت عیسیٰ کا ہے۔ انہیں عیسیٰ بن مریم اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔

ہندوستان میں عورتیں شادی کے بعد اپنے آپ کو شوہروں کی طرف منسوب کرکے اپنا نام فلاں زوجہ فلاں لکھتی ہیں، جب کہ زوجیت کا رشتہ ضروری نہیں کہ مستقل ہو۔ مگر باپ کا رشتہ مستقل ہوتا ہے اس لئے اسلامی طریقہ یہ ہے کہ عورتیں اپنا نام اپنے باپ کی صراحت کے ساتھ لکھیں یعنی فلاں بنت فلاں ۔ نبی ﷺ کی ازواج کے نام بھی ان کے باپوں ہی کے طرف منسوب کرکے لئے جاتے ہیں یعنی حضرت عائشہ بنت ابوبکر اور حفصہ بنت عمر کہا جاتا ہے جب کہ حضرت فاطمہ کو فاطمہ بنت محمد۔

۱۲؎ یعنی یہ واقعہ کے مطابق بھی ہے اور اس سے ان کے حقیقی باپوں کی حق تلفی بھی نہیں ہوتی۔

۱۳؎ یعنی اگر کسی کا باپ معلوم نہ ہو تو اسے کسی اور کا بیٹا کہہ کر نہ پکارو۔ بلکہ ان کے معاملہ میں دینی اخوت اور رفاقت کے رشتہ کا اظہار کرو۔

اسلام جھوٹا نسب بیان کرنے پر سخت گرفت کرتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

مَنِ ادَّعیٰ اِلیٰ غَیرِ اَبِیہِ وَھُوَ یَعلَمُ اِنَّہٗ غَیرُ اَبِیہِ فَالجَنَّۃُ عَلَیہِ حَرَامٌ۔ (مسلم کتاب الایمان)

''جس نے اپنے کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کیا، درانحالیکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔''

لیکن ساتھ ہی نامعلوم باپوں کی اولاد کی تحقیر سے بھی روکتا ہے اور ان کو اپنا دینی بھائی اور رفیق کہنے کی ترغیب دیتا ہے۔

۱۴؎ یعنی لاعلمی کی بنا پر یا قصد کے بغیر تم سے جو غلطیاں سرزد ہو گئیں ان پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔ لیکن اگر تم نے قصداً غلط بیانی سے کام لیا تو اس پر ضرور گرفت ہوگی۔

۱۵؎ یعنی نبی ﷺ کا تعلق اہلِ ایمان کے ساتھ سب سے زیادہ فوقیت رکھنے والا ہے۔ اس بنا پر بھی، کہ یہ ایمان کا تقاضا ہے اور اس وجہ سے بھی، کہ آپ ان کی ذات سے زیادہ ان کے خیر خواہ ہیں۔ لہٰذا اہلِ ایمان کو چاہیئے کہ وہ اپنی ذات پر آپ کو مقدم رکھیں۔ آپ سے والہانہ محبت رکھیں آپ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھیں، اپنی جانوں پر کھیل کر آپ کی حفاظت کریں اور آپ کے تمام فیصلوں کو بے چوں وچراں تسلیم کریں۔ حدیث میں آتا ہے:

لَا یُؤمِنُ اَحَدُکُم حَتّیٰ اَکُونَ اَحَبَّ اِلَیہِ مِن وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجمَعِینَ۔ (بخاری کتاب الایمان)

''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کیلئے اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔''

۱۶؎ نبی ﷺ سے اہلِ ایمان کے تعلق کی جو مخصوص نوعیت ہے اس کا یہی تقاضا تھا، کہ آپ کی بیویاں اہل ایمان کیلئے ماں کے درجہ میں ہوں۔ اور آپ کے بعد ان سے نکاح کرنا حرام ہو۔ چنانچہ آگے آیت ۵۳ میں صراحت کے ساتھ اس کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

ازواج مطہرات کو امہات المؤمنین کا درجہ دے کر امت کے اندر ان کے خاص مقام اور ان کے ناموس واحترام کو غایت درجہ ملحوظ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے تاکہ کسی مسلمان کی کوئی بات نبی ﷺ کے لئے اذیت کا باعث نہ بنے۔ (وَمَا کَانَ لَکُم اَن تُؤذُوا رَسُولَ اللّٰہِ۔ آیت ۵۳) لیکن افسوس ہے کہ اس واضح ہدایت کے باوجود مسلمانوں کے ایک فرقہ نے حضرت علی کی شان میں غلو کر کے حضرت عائشہ صدیقہ کو ملامت کا نشانہ بنا دیا۔ یہ لوگ اپنے فرقہ کے عقائد کو صحیح مان کر اپنے ذہنی تحفظات کے ساتھ جب قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں، تو جہاں ان کو اپنے عقائد کے خلاف کوئی بات محسوس ہوتی ہے، اس کی الٹی سیدھی تاویل کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس طرح قرآن پڑھ کر بھی وہ بھٹکتے ہی رہتے ہیں۔

۱۷؎ یعنی جہاں تک وراثت کا تعلق ہے، اللہ کے قانون کے مطابق رحمی (خونی) رشتہ دار ہی وارث قرار پائیں گے کہ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ازواج مطہرات کو امہات المؤمنین کا جو درجہ دیا گیا ہے تو اس کا تعلق مؤمنوں کی وراثت سے نہیں ہے۔ نیز یہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارگی کا جو رشتہ قائم کر دیا گیا تھا اور جس کی بنا پر انصار نے اپنے مال میں مہاجرین کو برابر کا شریک کر لیا تھا وہ عارضی تھا۔ اس رشتہ کی بنا پر وہ وراثت میں ایک دوسرے کے شریک نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اسلام کا مستقل وراثتی قانون رحم اور خون کے رشتہ کو وراثت کیلئے بنیاد قرار دیتا ہے۔ البتہ اپنے رفیقوں کے ساتھ بھلائی کی دوسری مناسب صورتیں اختیار کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً اپنی زندگی ہی میں ان کو کچھ دے دینا یا ان کے حق میں ترکہ کے ایک تہائی حصہ کی حد تک وصیت کرنا۔

۱۸؎ اشارہ ہے اس قانون وراثت کی طرف جو سورۂ نساء میں بیان ہوا ہے۔ نیز سورۂ انفال آیت ۷۵ میں بھی رحمی رشتہ داروں کے معاشرتی حقوق کو اولیت دی گئی ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ﴿۷﴾

۷ اور (یاد کرو) جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا تھا۔ (اے نبی) تم سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ، اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی۔ سب سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا۔ ۱۹؎

لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۸﴾

۸ تاکہ وہ سچے لوگوں سے ان کی سچائی کے بارے میں پوچھے ۲۰؎ اور کافروں کیلئے تو اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ۲۱؎

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۹﴾

۹ اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے، جب لشکر تم پر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور ایسی فوجیں جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھیں ۲۲؎۔ اور تم جو کچھ کر رہے تھے اللہ اس کو دیکھ رہا تھا۔

اِذْ جَاۗءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾

۱۰ جب وہ تم پر اوپر کی طرف سے بھی چڑھ آئے اور تمہارے نشیب کی طرف سے بھی ۲۳؎۔ جب نگاہیں پھر گئیں اور کلیجے منہ کو آ لگے ۲۴؎ اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾

۱۱ اس وقت اہل ایمان آزمائش میں ڈال دیئے گئے اور سخت ہلا مارے گئے۔ ۲۵؎

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾

۱۲ جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے ۲۶؎ کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدے ہم سے کئے تھے وہ محض فریب تھے۔ ۲۷؎

وَاِذْ قَالَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾

۱۳ جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے اہل یثرب ۲۸؎! تمہارے لئے ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں ہے لہٰذا لوٹ جاؤ ۲۹؎۔ اور ان میں سے ایک گروہ یہ کہہ کر نبی سے اجازت طلب کر رہا تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے، بلکہ یہ بھاگنا چاہتے تھے۔ ۳۰؎

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُىِٕلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾

۱۴ اگر شہر کے اطراف سے ان پر چڑھائی ہوتی اور اس وقت ان سے فتنہ میں پڑنے کیلئے کہا جاتا، تو وہ اس میں جا پڑتے اور انہیں مشکل ہی سے کوئی تامل ہوتا۔ ۳۱؎

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾

۱۵ حالانکہ یہ لوگ اس سے پہلے اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے ۳۲؎۔ اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کے بارے میں ضرور باز پرس ہوگی۔

۱۹ ۔ عہد (میثاق) سے مراد جیسا کہ آیت کے سیاق وسباق (Context) سے واضح ہے، فرائض نبوت کو ادا کرنے کا عہد ہے۔ جس کی پابندی منصب نبوت پر مامور ہونے کی بنا پر عائد ہوتی ہے۔ ان فرائض میں لوگوں کی پرواہ کئے بغیر محض اللہ سے ڈرتے ہوئے اس وحی کی پیروی کرنا بھی شامل ہے۔ اور لوگوں تک بے کم وکاست اللہ کے پیغام کو پہنچا دینا اور اس کے دین کو واضح کرنا بھی شامل ہے۔ اس سورہ کی آیت ۲ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی الٰہی کی خود اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور آگے آیت ۳۹ میں یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ انبیاء، اللہ کے پیغامات کو پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں ۔ وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ آیت میں انبیاء سے لئے ہوئے عہد کا عمومیت کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے جلیل القدر انبیاء کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

۲۰ ۔ یعنی قیامت کے دن انبیاء سے سوال کیا جائے گا کہ انہوں نے سچائی کے ساتھ وحی الٰہی پر عمل کیا یا نہیں اور لوگوں کو اس کے پیغامات ٹھیک ٹھیک پہنچائے یا نہیں؟ سورۂ اعراف میں ارشاد ہوا ہے:

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ۔ (اعراف : ۶)

''ہم ان لوگوں سے ضرور باز پُرس کریں گے جن کی طرف پیغمبر بھیجے گئے۔ اور یقیناً ہم پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے۔''

۲۱ ۔ یعنی جب پیغمبروں کے ذریعہ اللہ کی حجت لوگوں پر قائم ہو جائے گی، تو جو لوگ کفر کریں گے ان کو دردناک سزا بھگتنا ہوگی۔

۲۲ ۔ یہ اشارہ ہے غزوۂ خندق کی طرف جس میں اللہ تعالیٰ کی نصرت اہل ایمان کیلئے نازل ہوئی اور نہایت قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود دشمن کی فوجیں ان کو زیر نہ کر سکیں، بلکہ مقابلہ کئے بغیر ان کو واپس لوٹنا پڑا۔

یہ غزوہ جسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں شوال ۵ ھ ۔۔۔ (۶۲۷ء) میں پیش آیا۔ یہود کے قبیلہ بنی نضیر نے مدینہ سے اپنے جلاوطن ہونے کے بعد کفار کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اکسایا۔ چنانچہ حیی بن اخطب جو بنی نضیر کا سردار تھا ایک وفد کے ساتھ مکہ پہنچا اور قریش کو اس بات کیلئے آمادہ کیا کہ وہ متحدہ محاذ بنا کر مدینہ پر حملہ آور ہوں۔ پھر نجد کا رُخ کر کے قبیلہ غطفان کو بھی جنگ کیلئے آمادہ کیا۔ جب نبی ﷺ کو اس کی اطلاح ہوئی تو آپ نے حضرت سلمان کے مشورہ پر مدینہ کے شمالی اور مغربی جانب جہاں سے دشمن مدینہ میں داخل ہو سکتے تھے تقریباً دو کلومیٹر لمبی خندق کھدوائی۔ (غزوۃ الاحزاب ۔ محمد احمد باشمیل ص ۱۶۲) اور اس کام میں جس کو صحابہ کرام نہایت جاں فشانی کے ساتھ انجام دے رہے تھے نبی ﷺ بنفس نفیس شریک ہوئے۔ خندق کے اس طرف سلع پہاڑی کو پشت کر کے مسلمان صف آراء ہوئے جو تعداد میں تقریباً تین ہزار تھے، جن میں ایک تعداد منافقین کی بھی شامل ہو گئی تھی۔ خندق کے اس پار قریش بنی کنانہ کے ساتھ پہنچے اور نجد سے غطفان، ہوازن اور دیگر قبائل بھی۔ اس طرح دس ہزار کا لشکر جرار جو ہر طرح مسلح تھا مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے جمع ہو گیا۔ ادھر یہود کے ایک قبیلہ بنی قُریظہ نے جو مدینہ کے مشرقی جانب آباد تھے اور جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ تھا، عین وقت پر عہد شکنی کی اور کفار کی تائید کیلئے کھڑے ہو گئے۔ کفار کا یہ محاصرہ تقریباً ایک ماہ تک رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی فوجیں اتار کر ان کو ایسا مرعوب کر دیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کوئی اقدام نہ کر سکے۔ اور ایسی تند اور سرد ہوا بھیجی کہ کفار کے نہ صرف خیمے اکھڑ گئے بلکہ پاؤں بھی اکھڑ گئے۔ سخت آندھی نے آگ بجھا دی اور ایسا اندھیرا ہو گیا کہ انہیں کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اس صورتِ حال کے پیش نظر قریش نے واپسی کا فیصلہ کیا اور بالآخر تمام فوجیں ناکام واپس لوٹ گئیں۔ دشمن کے واپس ہونے پر مسلمان سلامتی کے ساتھ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اس کے نبی اور اہل ایمان کے حق میں اس طرح ظاہر ہوئی، کہ قتال کی نوبت ہی نہیں آئی اور کفار کا سارا منصوبہ خاک میں مل کر رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ کا یہی وہ احسان ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے اور یہ اتنا بڑا احسان تھا کہ پھر کفار مدینہ پر کبھی چڑھائی نہ کر سکے۔ نبی ﷺ نے کفار کے

ناکام لوٹ جانے پر فرمایا تھا۔ لَنْ تغزُو قُریشُ بَعْدَ عَامِکُمْ وَلٰکِنَّکُمْ تَغْزُونَھُمْ کہ قریش اب کبھی تم پر چڑھائی نہ کرسکیں گے۔ اب تم ان پر چڑھائی کرو گے اور یہ بات حرف بحرف پوری ہوئی۔ کفار پھر کبھی مدینہ کا رُخ نہ کرسکے۔ البتہ مسلمان اس پوزیشن میں ہوئے کہ مکہ کا رُخ کرکے اسے فتح کرلیں۔

واضح ہوا کہ اہل ایمان جان جوکھم میں ڈال کر اللہ کا کلمہ بلند کرنے کیلئے اٹھیں تو اللہ تعالیٰ غیر معمولی طریقہ پر ان کی مدد فرماتا ہے۔

۲۳۔ اوپر کی طرف سے یعنی مدینہ کی مشرقی جانب سے اور نشیب کی طرف سے یعنی مدینہ کی مغربی جانب سے۔ مدینہ کا بالائی علاقہ مشرق کی طرف ہے اور نشیبی علاقہ مغرب کی طرف۔ مشرق کی طرف سے غطفان اور ہوازن وغیرہ کی فوجیں آ گئی تھیں اور مغرب کی طرف سے قریش اور بنی کنانہ وغیرہ کی۔

۲۴۔ یہ پیرایۂ بیان اس کیفیت کو ظاہر کرتا ہے جو شدتِ خوف کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی۔ بلاغت کے تقاضے کے تحت عام مسلمانوں کو مخاطب کرکے یہ بات کہہ دی گئی ہے، لیکن مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے ایمان میں کمزور تھے۔ مخلص مؤمنوں کا حال اس سے مختلف تھا جیسا کہ آیت ۲۲ اور ۲۳ میں بیان ہوا ہے۔

۲۵۔ یعنی جنگ خندق کے موقع پر جن شدید حالات کا مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑا، ان میں بہت بڑی مصلحت کارفرما تھی۔ وہ یہ کہ اہل ایمان کو سخت آزمائش میں ڈال کر دیکھا جائے کہ کون اپنے ایمان میں مخلص ہے اور کون نفاق اور شک کی بیماری میں مبتلا ہے۔

۲۶۔ روگ سے مراد شک کی بیماری ہے۔ قرآن اور پیغمبر کے بارے میں شک کرنے والے یہی منافقین تھے۔

۲۷۔ یعنی اللہ کی مدد اور غلبہ و کامرانی کے وعدے۔

۲۸۔ یثرب مدینۃ النبوی کا پرانا نام ہے۔

۲۹۔ یعنی تم اس پوزیشن میں نہیں ہو کہ جو لشکر تمہارے خلاف امنڈ آیا ہے اس کا مقابلہ کرسکو، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ تاکہ جنگ کی نوبت نہ آئے۔

۳۰۔ مدینہ میں عورتوں اور بچوں کو محفوظ قلعوں میں منتقل کردیا گیا تھا۔ اس لئے منافقین کا یہ عذر صحیح نہ تھا کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں، لہٰذا ہمیں جانے کی اجازت دی جائے۔ دراصل ان میں دشمن کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں تھی اس لئے وہ محاذ چھوڑ کر بھاگ جانا چاہتے تھے۔ اور بہانا یہ بنالیا تھا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔

۳۱۔ یعنی اگر مدینہ میں دشمن گھس پڑتے اور ان لوگوں سے فتنہ کی کوئی بات کہتے، مثلاً یہ مطالبہ کرتے کہ پیغمبر کے ساتھیوں کو قتل کرنے میں ہمارا ساتھ دو یا یہ مطالبہ کرتے کہ اسلام سے پھر جاؤ، تو انہیں ان کے اس مطالبہ کو پورا کرنے میں مشکل ہی سے کوئی تامل ہوتا۔ کیونکہ وہ اپنے ایمان میں مخلص نہیں تھے۔

۳۲۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ان لوگوں نے غزوۂ احد کے موقع پر جو کمزوری دکھائی تھی، اس کے بعد وہ اپنی ندامت کو دور کرنے کیلئے کہتے رہے کہ اگر اللہ نے اب کوئی موقع پیدا کردیا تو وہ جم کر لڑیں گے اور ہرگز پیٹھ نہیں پھیریں گے۔ مگر جب غزوۂ خندق میں دشمن کے مقابلہ میں ڈٹ جانے کا موقع آیا تو بھاگ جانے کیلئے بہانے ڈھونڈنے لگے۔

غزوۂ خندق کا نقشہ

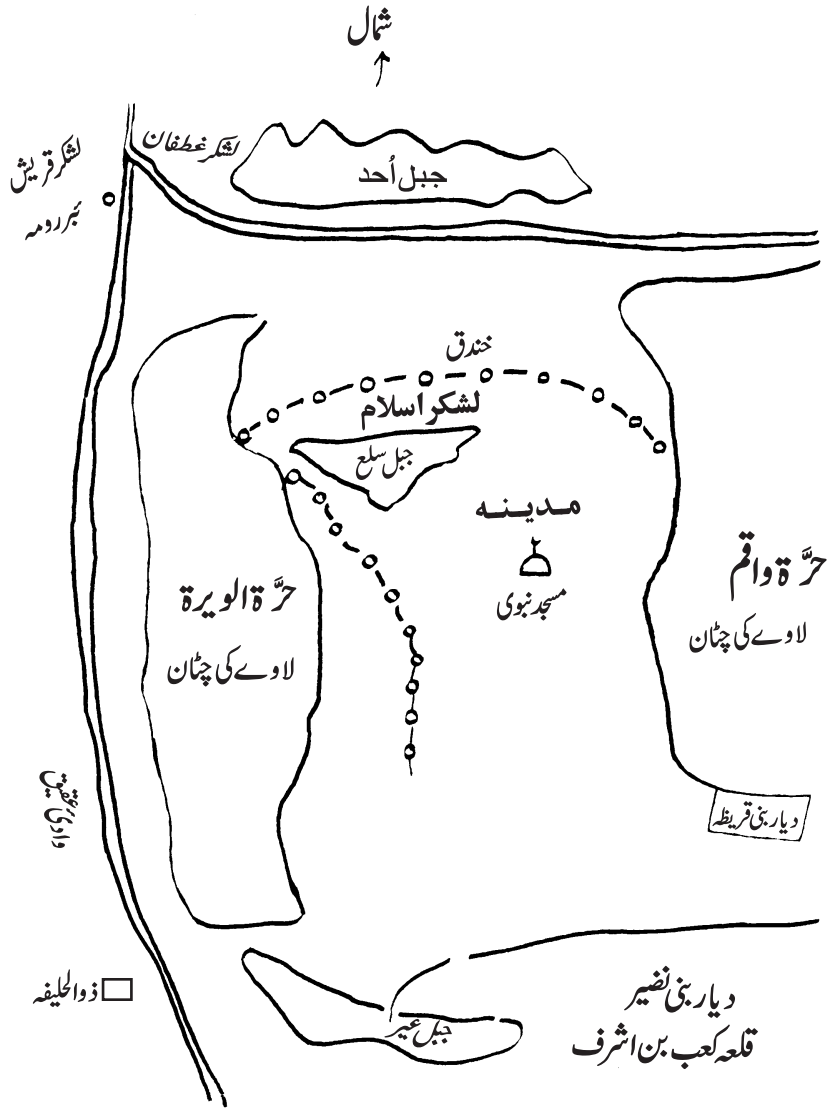

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾

۱۶ کہو اگر تم موت یا قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمہارے لئے کچھ بھی مفید نہ ہوگا۔ اور اس کے بعد تم سامانِ زندگی سے تھوڑا ہی فائدہ اٹھا سکو گے۔ ۳۳؎

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

۱۷ کہو کون ہے جو تم کو اللہ سے بچا سکے اگر وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے، یا اس کی رحمت کو روک سکے اگر وہ تم پر مہربانی کرنا چاہے۔ اللہ کے مقابلہ میں وہ اپنے لئے نہ کوئی کارساز پائیں گے اور نہ مددگار۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾

۱۸ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے جو (جنگ کے موقع پر) رکاوٹیں ڈال رہے تھے اور اپنے بھائیوں سے یہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے پاس آؤ ۳۴؎۔ اور وہ جنگ میں بہت کم حصہ لیتے رہے ہیں۔

اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾

۱۹ وہ تمہارا ساتھ دینے میں تنگ دل ہیں ۳۵؎۔ جب خطرہ پیش آ جاتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ وہ تمہاری طرف اس طرح آنکھوں کو پھرا پھرا کر دیکھتے ہیں جیسے کسی شخص پر موت کی غشی طاری ہو گئی ہو ۳۶؎۔ پھر جب خطرہ دور ہو جاتا ہے تو مال کے حریص بن کر تیز زبانی سے تم سے باتیں کرتے ہیں ۳۷؎۔ یہ لوگ ایمان نہیں لائے اس لئے اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے ۳۸؎۔ اور یہ اللہ کیلئے بہت آسان ہے۔ ۳۹؎

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾

۲۰ یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ حملہ آور گروہ ابھی گئے نہیں ہیں ۴۰؎۔ اور اگر حملہ آور پھر آ جائیں تو یہ چاہیں گے کہ وہ دیہات میں بدوؤں کے درمیان ہوں اور وہاں سے تمہاری خبریں معلوم کرتے رہیں ۴۱؎۔ اور اگر یہ تمہارے درمیان رہے بھی تو جنگ میں کم ہی حصہ لیں گے۔ ۴۲؎

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾

۲۱ تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ۴۳؎، ان کیلئے جو اللہ اور آخرت کے امیدوار ہوں اور اللہ کو بہ کثرت یاد کریں ۴۴؎۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾

۲۲ جب اہلِ ایمان نے حملہ آور گروہوں کو دیکھا تو پکار اٹھے یہ تو وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اللہ اور اس کے رسول نے بالکل سچ فرمایا ہے۔ اور اس چیز نے ان کے ایمان و اطاعت میں اور اضافہ کر دیا۔ ۴۵؎

۳۳ ۔ یعنی موت یا قتل ہوجانے کے اندیشہ سے جنگ سے فرار اختیار کرنا، جب کہ وہ ایک دینی فریضہ ہو بالکل بے فائدہ بات ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اگر جینے کا موقع مل بھی گیا تو وہ بہت تھوڑا ہوگا اور بالآخر لوٹنا اللہ ہی کے حضور ہوگا۔ اور اس طرزِ عمل کا نتیجہ محرومی اور ناکامی ہی کی شکل میں سامنے آئے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی راہ میں جان کا خطرہ مول لینے کی ترغیب دیتے ہوئے بڑی حقیقت افروز بات ارشاد فرمائی تھی:

''جو کوئی اپنی جان بچانا چاہے اسے کھوئے گا اور جو کوئی میری خاطر اپنی جان کھوئے گا اسے پائیگا۔ اور اگر آدمی ساری دنیا حاصل کرے اور اپنی جان کا نقصان اٹھائے اسے کیا فائدہ ہوگا''؟ (متی ۱۶: ۲۵، ۲۶)

۳۴ ۔ مراد منافقین ہیں، جو مسلمانوں کی دفاعی لائن میں رکاوٹیں کھڑی کر رہے تھے اور دوسروں کو محاذ سے ہٹا کر اپنے ساتھ ملا لینا چاہتے تھے۔ یہ ان کی کھلی غداری تھی۔

۳۵ ۔ یعنی وہ تمہاری مدافعت کیلئے کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے۔ ان کو نہ تمہارا (سچے مسلمانوں کا) کوئی درد ہے اور نہ وہ تمہارے لئے کوئی قربانی دے سکتے ہیں۔

۳۶ ۔ یہ منافقین کی بزدلی اور ان کی گھبراہٹ کی تصویر ہے۔ جنگ کے موقع پر جب کوئی خطرناک صورت پیش آجاتی تو ان کی بدحواسی کا یہ عالم ہوتا کہ گویا ان پر موت کی غشی طاری ہوگئی ہے۔ اگر وہ اپنے ایمان میں مخلص ہوتے تو اللہ کی راہ میں پامردی سے جہاد کرتے اور کفار کا مردانہ وار مقابلہ کرتے۔

۳۷ ۔ یعنی جنگ ختم ہوجانے کے بعد جب مالِ غنیمت کی تقسیم کا موقع آجاتا، تو مال کے حریص بن کر سامنے آتے ہیں اور تند و تیز لہجہ میں مالِ غنیمت میں اپنے حصہ دار ہونے کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے خلاف سخت شکایتیں کرتے ہیں۔

۳۸ ۔ یعنی یہ اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں، لیکن درحقیقت یہ ایمان نہیں لائے ہیں۔ اگر یہ دل سے ایمان لاتے تو جہاد میں ان کا طرزِ عمل اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ بے وفائی کا نہ ہوتا۔ اور جب ان کے دل ایمان سے خالی ہیں تو ان کی تمام ظاہری نیکیاں اکارت گئیں، ان کا کوئی اجر ان کو ملنے والا نہیں۔

اس سے یہ اہم حقیقت واضح ہوئی، کہ جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں مگر دل سے ایمان نہیں لاتے، وہ اگر نیکی کے کام کرتے ہیں خواہ وہ نماز ہو یا جہاد تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انہی اعمال کو قبول فرماتا ہے جو ایمان لاکر خالصتہ اس کی رضا جوئی کیلئے کئے گئے ہوں۔

مسلمانوں کی موجودہ سوسائٹی میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں، جو منافقوں کے نقشِ قدم پر ہیں، خصوصاً جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں۔ ان کا طرزِ عمل ایمان کے تقاضوں کے صریح خلاف ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ دلوں کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے اس لئے ان کے دعوے کی بنا پر ان کو دنیا میں مسلمان سمجھا جاتا رہے گا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کے نزدیک بھی وہ مسلمان ہی قرار پائیں گے۔ اگر ان کے دل ایمان سے خالی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے دعوئے اسلام کو بے حقیقت قرار دیگا۔ اور ان کی نیکیاں ان کے منہ پر دے ماری جائیں گی، خواہ وہ نماز، حج اور جہاد جیسی بڑی بڑی نیکیاں ہی کیوں نہ ہوں۔ جسم بے کار ہے اگر اس کے اندر روح موجود نہ ہو۔ اسی طرح نیک اعمال کا وجود بے کار ہے اگر ان کے اندر ایمان کی روح موجود نہ ہو۔

۳۹ ۔ یعنی کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ان کی نیکیاں اللہ تعالیٰ کس طرح ضائع کرے گا؟ اُس کیلئے ایسا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ نہ تو کسی کی سفارش اس کیلئے رکاوٹ بن سکے گی اور نہ ایسا کرنا عدل و انصاف کے خلاف ہوگا۔

۴۰ ۔ یعنی یہ منافقین، کافروں کے لشکر سے ایسے مرعوب اور دہشت زدہ ہو گئے ہیں کہ اگرچہ حملہ آور گروہ ناکام واپس ہو چکے ہیں، مگر ان لوگوں کو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ وہ ادھر اُدھر کہیں موجود ہیں اور ان کے دوبارہ حملہ آور ہونے کا اندیشہ ہے۔

۴۱ ۔ یعنی اب ان کی خواہش یہ ہے کہ اگر کفار کے لشکر دوبارہ مدینہ پر حملہ آور ہوئے، تو اس موقع پر یہ شہر میں موجود ہی نہ رہیں، بلکہ دیہات میں جا کر بدوؤں کے درمیان رہیں، تاکہ مقابلہ کی نوبت نہ آئے۔ اور وہاں رہ کر ہی مسلمانوں کے حالات معلوم کرتے رہیں، کہ انہیں کفار کے ہاتھوں شکست ہوئی یا نہیں۔

۴۲ ۔ کیونکہ ان کو نہ جہاد سے دلچسپی ہے اور نہ وہ کوئی قربانی دینے کیلئے آمادہ ہیں۔ ان کی جنگ میں شرکت محض نمائشی اور حالات کے دباؤ کا نتیجہ ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ اس زمانہ میں مدینہ میں قبائلی سسٹم تھا اور اَوس وخزرَج دو بڑے قبیلے تھے۔ جب ان قبیلوں نے اسلام قبول کیا تو ان افراد کے لئے جو اسلام قبول کرنا نہیں چاہتے تھے ایک مسئلہ پیدا ہو گیا۔ اور وہ یہ کہ اس صورت میں قبیلہ کے مذہب سے الگ رہنے کی بنا پر ان کا اس قبیلہ میں کوئی مقام نہ ہوگا اور سماجی مسائل بھی پیدا ہو جائیں گے۔ اس لئے انہوں نے مصلحت اس میں سمجھی کہ دل کے انکار کے باوجود اپنے آپ کو مسلمانوں میں شامل کر لیں۔ اس کے بعد وہ ان ذمہ داریوں کو نبھا نہ سکے، جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی تھیں اور ان کا نفاق کھلتا ہی چلا گیا۔

۴۳ ۔ یعنی اللہ کے رسول نے اس موقع پر جو تکلیفیں اٹھائیں جو خطرات مول لئے، محاذ پر جس طرح ڈٹے رہے اور جو پامردی دکھائی اس میں رسول کے پیروؤں کیلئے بہترین نمونہ تھا۔ لہٰذا تمہیں اس موقع پر وہی کچھ کرنا چاہئے تھا جو اللہ کے رسول نے کیا۔

آیت کا اشارہ اگرچہ اس خاص واقعہ کی طرف ہے، لیکن الفاظ کی عمومیت ایک نہایت ہی اہم اور اصولی بات پر دلالت کرتی ہے۔ اور وہ یہ کہ رسول کا طرزِ عمل مطلقاً اہلِ ایمان کیلئے نمونہ ہے۔ لہٰذا انہیں چاہئے کہ رسول کی زندگی کو سامنے رکھیں اور ''اسوۂ حسنہ'' کی پیروی کریں۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ نبی ﷺ کے اسوۂ سے تجاوز کر کے اگر کسی نے کوئی طرزِ عمل اختیار کیا ہے، تو وہ مسلمانوں کے لئے لائق اتباع نہیں ہے، خواہ وہ زاہدوں اور عابدوں کا ہو یا صوفیوں کا۔

۴۴ ۔ یعنی رسول کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنے والے درحقیقت وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ سے ملاقات کے امیدوار ہوں، روزِ آخر جزا کی توقع رکھتے ہوں اور جن کے دلوں میں اللہ کی یاد بس گئی ہو اور زبانیں اس کے ذکر سے تر ہوں۔ جو لوگ اس وصف سے خالی ہوں ان میں یہ حوصلہ نہیں ہو سکتا کہ پرخطر حالات میں رسول کا ساتھ دیں۔ اور اس کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے کردار کو ڈھالیں۔

آج مسلمانوں میں تو ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو نبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی تعریف تو خوب کریں گے لیکن اس کو اپنے لئے رہنما نہیں بنائیں گے، بلکہ جو گمراہ لوگ اپنی زندگیوں کا بدترین نمونہ ''اسوۂ سیئہ'' پیش کر رہے ہیں اس کو قبول کریں گے، تاکہ ان کی دنیا بھی بن جائے اور دنیا والے بھی ان سے خوش رہیں!

۴۵ ۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر مخلص مؤمنوں کا جو کردار رہا اس کو یہاں نمایاں کیا گیا ہے، جس سے ان کی اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ وفاداری ''پاسِ عہد'' حوصلہ مندی اور قربانیوں کیلئے مستعدی کا اظہار ہوتا ہے۔ منافق تو جیسا کہ آیت ۱۱ اور ۱۲ میں بیان ہوا ہے، کافروں کے لشکرِ جرار کو دیکھ کر اللہ ہی سے بدگمان ہو گئے اور کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ محض فریب تھا۔ لیکن سچے مؤمنوں کی زبان سے یہ ایمان افروز کلمات نکلے کہ ''یہ تو وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا''۔ یہ اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ کامیابی کی راہ آزمائشوں سے ہو کر ہی گذرتی ہے، جیسا

کہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ۔ (بقرہ: ۲۱۴)

''کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تمہیں ان لوگوں کے سے حالات سے سابقہ پیش آیا ہی نہیں جو تم سے پہلے گذرے ہیں۔'' (بقرہ۔ ۲۱۴)

اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا ہے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ۔ (سورہ عنکبوت: ۲، ۳)

''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ یہ کہہ دینے پر چھوڑ دئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کی ہم آزمائش کر چکے ہیں، تو اللہ ان لوگوں کو ضرور جان کر رہے گا جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو بھی جو جھوٹے ہیں۔'' (عنکبوت: ۲، ۳)

اور جب انہوں نے ان ایمانی جذبات کا اظہار کیا تو ان کے ایمان کی کیفیت اور ان کی اطاعت شعاری میں اور اضافہ ہو گیا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

۲۳ ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ۴۶؎۔ ان میں سے بعض تو اپنی نذر پوری کر چکے ۴۷؎۔ اور بعض منتظر ہیں ۴۸؎۔ انہوں نے (اس میں) کوئی تبدیلی نہیں کی۔

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾

۲۴ (یہ امتحان اس لئے پیش آیا) تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے۔ اور منافقوں کو چاہے تو سزا دے یا ان کی توبہ قبول کر لے ۴۹؎ بلاشبہ اللہ معاف کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾

۲۵ اور اللہ نے کافروں کو اس حال میں لوٹا دیا کہ وہ غیظ و غضب میں بھرے ہوئے تھے اور کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے ۵۰؎۔ اور مؤمنوں کی طرف سے لڑنے کیلئے اللہ کافی ہو گیا ۵۱؎۔ اللہ بڑی قوت والا اور غالب ہے۔ ۵۲؎

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾

۲۶ اور اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے ان (حملہ آور گروہوں) کی مدد کی تھی، اللہ نے ان کے قلعوں سے ان کو اتار دیا۔ اور ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ ایک گروہ کو تم قتل کرتے رہے اور دوسرے گروہ کو تم نے قید کر لیا۔ ۵۳؎

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَــُٔوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾

۲۷ اور تم کو ان کی زمین، ان کے گھروں اور ان کے مال کا وارث بنا دیا ۵۴؎۔ اور ایسی زمین کا بھی جس پر ابھی تم نے قدم نہیں رکھے ۵۵؎۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾

۲۸ اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو ۵۶؎۔ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو، تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں۔ ۵۷؎

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

۲۹ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کے طالب ہو تو (یقین رکھو) تم میں سے جو حُسن عمل کا رویہ اختیار کریں گی، ان کے لئے اللہ نے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ ۵۸؎

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

۳۰ اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کسی صریح بے حیائی کی مرتکب ہو گی اسے دوہرا عذاب دیا جائے گا ۵۹؎۔ اللہ کے لئے یہ بات آسان ہے۔ ۶۰؎

۴۶ ۔ یعنی یہ عہد کہ وہ اللہ کی راہ میں جان کی بازی لگا دیں گے۔

۴۷ ۔ یعنی جان کی بازی لگا کر انہوں نے جامِ شہادت نوش کر لیا۔

۴۸ ۔ یعنی اس بات کے منتظر ہیں کہ کب انہیں اللہ کی راہ میں جاں بازی کے جوہر دکھانے کا موقع ملتا ہے۔

۴۹ ۔ یعنی وہ ٹھوکر کھانے کے بعد سنبھلیں اور اپنے غلط طرزِ عمل کیلئے اللہ کے حضور توبہ کریں۔ مقصود منافقوں پر یہ واضح کرنا ہے کہ تمہارے لئے اب بھی توبہ کا موقع ہے پھر اپنے کو کیوں عذابِ الٰہی کا مستحق بناتے ہو؟

۵۰ ۔ یعنی اللہ کی تدبیر ایسی ہوئی کہ کفار غصہ میں بھرے ہوئے ناکام واپس لوٹے۔ وہ مدینہ کے مسلمانوں کا بال بھی بیکا نہ کر سکے اور نہ اس جنگ سے ان کو کوئی فائدہ حاصل ہو سکا۔

۵۱ ۔ یعنی اگرچہ وہ مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ بنا کر حملہ آور ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ مسلمانوں کو لڑنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ ان کی طرف سے لڑنے کیلئے اللہ کافی ہوا۔ حج کے موقع پر صفا اور مروہ پر یہ جو کلمات ادا کئے جاتے ہیں۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ اَنْجَزَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔ (مسلم کتاب الحج)

''ایک اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اور اپنے بندہ کی مدد کی، اور حملہ آور لشکروں کو تنہا شکست دی۔''

تو یہ اسی واقعہ کی یاد تازہ کرتے ہیں اور اللہ کی نصرت کو یاد دلاتے ہیں۔

۵۲ ۔ اللہ قوت والا ہے اس لئے ایک لشکرِ جرار کی شکست کے اسباب پیدا کرنا اس کیلئے کچھ بھی مشکل نہیں اور وہ غالب ہے۔ اس لئے اس کا ہر منصوبہ نافذ ہو کر رہتا ہے۔

۵۳ ۔ مراد بنی قریظہ ہیں جو مدینہ کے مشرقی حصہ میں آباد تھے اور مذہباً یہودی تھے۔ نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد ان سے معاہدہ کیا تھا مگر وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہ سکے اور غزوۂ احزاب کے موقع پر انہوں نے عہد شکنی کر کے حملہ آور کافروں کا ساتھ دیا۔ جب نبی ﷺ جنگ خندق سے فارغ ہو کر گھر لوٹے تو حضرت جبرئیل اللہ کا یہ حکم لے کر نازل ہوئے کہ بلا تاخیر بنی قریظہ کا رخ کیا جائے اور ان کے خلاف فوجی کاروائی کی جائے چنانچہ اسی وقت نبی ﷺ صحابہ کو لے کر بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے ۔ وہاں پہنچ کر ان کا محاصرہ کر لیا جو پچیس دن رہا۔ بالآخر بنی قریظہ اس شرط پر اپنے قلعوں سے اتر آئے کہ قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ کو جو بنی قریظہ کے حلیف تھے حَکم بنایا جائے۔ چنانچہ حضرت سعد بن معاذ نے فیصلہ سنایا کہ:

''ان کے جو مرد لڑنے کے قابل ہیں ان سب کو قتل کر دیا جائے ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا جائے اور ان کے مال تقسیم کر دیئے جائیں۔''

اس پر نبی ﷺ نے فرمایا ''تم نے حکم الٰہی کے مطابق فیصلہ کیا۔'' (بخاری کتاب المغازی)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ تورات کے مطابق تھا اس میں یہ جنگی قانون بیان ہوا ہے کہ:

''جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے۔۔۔۔۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اس کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا۔'' (استثناء: ۲۰ ۱۰ تا ۱۴)

اس طرح یہود بنی قریظہ کا مدینہ سے خاتمہ ہو گیا۔ ان کے ساتھ یہ سختی اسلئے برتی گئی کہ اس سے پہلے یہود کے ایک قبیلہ بنی نضیر کی عہد شکنی اور سازشی

کارروائیوں کے باوجود ان کے ساتھ یہ رعایت برتی گئی تھی کہ وہ اپنے بال بچوں اور کسی قدر سامان کے ساتھ مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں چنانچہ وہ خیبر میں آباد ہو گئے لیکن وہاں سے انہوں نے مسلمانوں کے خلاف پھر سازشیں شروع کر دیں۔ پھر بنی قریظہ نے ایک ایسے نازک موقع پر عہد شکنی کی جب کہ کفار بہت بڑے لشکر کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے اور انہوں نے ان کی مدد کر کے مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا تھا اس لئے ایسے غداروں کو سخت سزا ملنا ہی چاہئے تھی۔

واضح رہے کہ مقتولین کی تعداد آٹھ سو سے زیادہ نہیں تھی اور عورتوں اور بچوں کی تعداد جن کو قید کر لیا گیا تھا تقریباً ایک ہزار تھی (غزوہ بنی قریظہ۔ محمد احمد پاشمیل ص ۱۹۷)

۵۴۔ مال کے ساتھ بھاری اسلحہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ پندرہ سو تلواریں، دو ہزار نیزے، تین سو زرہیں اور پانچ سو ڈھالیں مالِ غنیمت میں ملیں۔ (غزوۂ بنی قریظہ ص ۲۲۹)

۵۵۔ یہ اس بات کی خوشخبری تھی کہ (عنقریب ایسے علاقے بھی تم فتح کرو گے جہاں ابھی تمہارے قدم نہیں پہنچے ہیں۔ اس کے بعد سب سے پہلے خیبر فتح ہوا اور اس کے بعد دوسرے علاقے۔ اس طرح قرآن کی یہ پیشین گوئی بھی پوری ہوئی۔

۵۶۔ یہاں سے ایک دوسرا مضمون شروع ہوتا ہے جو نبی ﷺ کی ازواج سے متعلق ہے۔ ان آیات کے نزول تک یعنی ۵ھ میں نبی ﷺ کے نکاح میں چار بیویاں تھیں۔ حضرت سودہ، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

۵۷۔ نبی ﷺ کی ازواج کو جب امہات المؤمنین کا مقام دیا گیا تو ان کی ذمہ داریاں بھی بڑھ گئیں۔ اب ان کو تقویٰ، قناعت پسندی اور آخرت طلبی میں معیار مطلوب کو پہنچنا تھا اور چونکہ نبی ﷺ کی زندگی معاشی لحاظ سے نہایت عسرت کی زندگی تھی اور آپ کے پاس آسودگی اور دنیوی زیب و زینت کا کوئی سامان نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ہدایت کی کہ آپ اپنی ازواج سے ان کی مرضی معلوم کریں۔ اگر وہ بہ خوشی اس قسم کی زندگی گذارنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور دنیا ہی کی زیب و زینت چاہتی ہیں تو انہیں کچھ دے دلا کر خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر دیا جائے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے سب سے پہلے حضرت عائشہ سے پوچھا اور فرمایا کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب دو لیکن حضرت عائشہ نے برجستہ جواب دیا کہ اس معاملہ میں اپنے والدین سے کیا مشورہ کروں جب کہ میں اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت ہی کو چاہتی ہوں پھر دوسری ازواج نے بھی اسی طرح جواب دیا۔ (بخاری کتاب التفسیر۔ الاحزاب)

اس طرح ان کی آزادنہ مرضی معلوم کرنے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ ان کو خود عزیمت کا مقام حاصل ہو گیا، دوسرا یہ کہ نبی ﷺ کیلئے ان کا جواب سکون و مسرت کا باعث ہوا اور تیسرا فائدہ یہ کہ منافقین کو یہ پروپیگنڈہ کرنے کا موقع نہیں مل سکا کہ آپ اپنی ازواج کے حقوق پوری طرح ادا نہیں کرتے اور وہ اپنی مرضی کے خلاف زندگی بسر کرنے کیلئے مجبور ہو گئی ہیں۔

آیت کا صحیح مفہوم واضح ہو جانے کے بعد اس خیال کی تردید کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ آپ کی ازواج آپ سے زیادہ نفقہ (خرچ) کا مطالبہ کرتی تھیں جس کی وجہ سے آپ پریشان ہو گئے تھے۔ جن روایتوں میں اس طرح کی بات بیان ہوئی ہے وہ درایۃً صحیح نہیں، کیونکہ ان میں متضاد باتیں بھی بیان ہوئی ہیں اور ایسی باتیں بھی جو قرائن کے خلاف ہیں ان روایات پر گفتگو انشاء اللہ سورۂ تحریم کے ذیل میں کی جائے گی۔

واضح رہے کہ فقہاء نے اس تخییر کو تفویض طلاق پر محمول کیا ہے یعنی اس صورت میں عورت کو یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے اوپر طلاق نافذ کر لے جب کہ اس آیت میں اس کیلئے کوئی دلیل نہیں ہے آیت میں تو نبی ﷺ سے یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ اپنی ازواج سے معلوم کر لیں کہ وہ دنیا کی

زیب وزینت چاہتی ہیں یا اللہ اور اس کے رسول کو۔ اگر دنیا کی زیب وزینت چاہتی ہیں تو خوبصورتی کے ساتھ ان کو رخصت کر دیا جائے یعنی ان کی یہ مرضی معلوم ہونے کے بعد آپ انہیں طلاق دیدیں۔ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ اگر آپ کی ازواج دنیا کی زینت چاہتیں تو طلاق خود بخود واقع ہوجاتی۔ آیت میں طلاق کا کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا ہے اور اس کے یہ الفاظ اُسَرِّحکُنَّ سرَاحًا جَمِیلاً۔ ''میں تمہیں خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں'' صاف بتا رہے ہیں کہ آپ کے جدا کر دینے سے وہ جدا ہو جاتیں لہٰذا اس تخییر (اختیار) کو تفویض طلاق پر محمول کرنا صحیح نہیں۔ اور فقہاء نے تفویض طلاق کا جو اصول وضع کیا ہے اس سے موجودہ دور کے وہ مسلمان جو اسلام کے عائلی قوانین سے مطمئن نہیں ہیں اور ان میں ترمیم کے درپے ہیں یہ تجویز کرتے ہیں کہ نکاح کے موقع پر ایک کابین نامہ تیار کیا جائے جس میں مرد عورت کو یہ پیشگی اختیار دے کے فلاں اور فلاں صورت میں عورت خود اپنے اوپر طلاق نافذ کرسکتی ہے۔

تفویضِ طلاق کے اس حیلہ کو اختیار کر کے وہ مرد وزن میں مساوات کا اصول قائم کرنا چاہتے ہیں مگر شریعت نے گوناگوں مصالح کے پیش نظر جن میں عورت کا مقام بھی شامل ہے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے عورت کو نہیں، اس لئے اس اختیار کو عورت کی طرف منتقل کرنے کی کوشش شریعت کے منشاء کے بالکل خلاف ہے۔

اُمَتِّعْکُنَّ (تمہیں کچھ دے دلا کر) سے ضمناً یہ بات بھی واضح ہوئی کہ طلاق کی صورت میں بیوی کو متاع یا متعہ (کچھ مال) دیا جانا چاہئے۔ اس سے اس نقطہ نظر کی تائید ہوتی ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۴۱ میں مطلقات کو معروف کے مطابق متاع دینے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ تمام مطلقہ عورتوں کے بارے میں ہے نہ کہ صرف ان عورتوں کے بارے میں جنہیں خلوت سے پہلے طلاق دی گئی ہو۔ (ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۳۷۶، ۳۷۷)

۵۸۔ یعنی اگر تم نے دنیا طلبی کے بجائے آخرت طلبی کو مقصود اور اللہ اور اس کے رسول کو محبوب بنالیا اور حسن عمل کی روش اختیار کی تو تمہارا مرتبہ بڑا ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمہیں بہت بڑے اجر سے نوازے گا۔

۵۹۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نبی ﷺ کی ازواج سے کسی بے حیائی کے ارتکاب کا اندیشہ تھا بلکہ مقصود پاک دامنی اور عفت کا غایت درجہ احساس پیدا کرنا تھا تاکہ وہ کافی محتاط رہیں اور منافقین کو ان کے خلاف شکوک وشبہات پیدا کرنے کا موقع نہ ملے۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اللہ کا قانون بے لاگ ہے۔ ایک نبی کی بیوی بھی اگر بے حیائی کی مرتکب ہوتی ہے تو وہ اللہ کے ہاں سزا کی مستحق ہے بلکہ دوہری سزا کی کیونکہ یہ جرم اس بنا پر نہایت سنگین ہوگا کہ اس سے ایک نبی کے گھر کی بدنامی ہوگی اور لوگوں کیلئے بہت بُری مثال قائم ہوجائے گی۔

۶۰۔ یعنی جرم کے ارتکاب کی صورت میں ایک نبی کی بیوی کو سزا دینا اللہ کیلئے مشکل نہ ہوگا کیونکہ اللہ کا قانونِ عدل بے لاگ ہے۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا
نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

۳۱ اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبردار بن کر رہے گی اور نیک عمل کرے گی ہم اس کو دوہرا اجر دیں گے ۶۱؎۔ اور ہم نے اس کیلئے باعزت رزق تیار کر رکھا ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ
اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ
الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ ۚ

۳۲ اے نبی کی بیویو! تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو ۶۲؎۔ اگر تم پرہیزگار ہو تو لوچ کے ساتھ بات نہ کرو، کہ جس کے دل میں روگ ہے وہ طمع کرنے لگے ۶۳؎۔ اور بھلی بات کہو ۶۴؎۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى
وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ
اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ
وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ ۚ

۳۳ اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور سابقہ جاہلیت کی سی نمائش نہ کرو ۶۵؎۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو ۶۶؎، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو چاہتا ہے کہ تم اہلِ بیت سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں بالکل پاک کر دے ۶۷؎۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ
وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ ۚ

۳۴ یاد رکھو اللہ کی آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں سنائی جاتی ہیں ۶۸؎۔ بے شک اللہ نہایت باریک بیں ۶۹؎ اور باخبر ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ
وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ
وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ
فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا
وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

۳۵ یقیناً مسلم مرد اور مسلم عورتیں، مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ۷۰؎، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں ۷۱؎، راست باز مرد اور راست باز عورتیں ۷۲؎، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں ۷۳؎، (اللہ کے حضور) عاجزی کرنیوالے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں ۷۴؎، صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں ۷۵؎، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں ۷۶؎ اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں ۷۷؎۔ اللہ نے ان کیلئے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے ۷۸؎۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ
يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ
ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾

۳۶ کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے تو ان کے لئے اپنے معاملہ میں کوئی اختیار باقی رہے ۷۹؎۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔

۶۱ ۔ جب نبی ﷺ کی ازواج کا مقام امہات المؤمنین کا قرار پایا تو اس مقام کے لحاظ سے ان پر بھاری ذمہ داریاں بھی عائد ہوگئیں ۔ ان ذمہ داریوں کو بیان کرتے ہوئے انہیں یہ بشارت بھی دی گئی کہ اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کی وفا شعار بن کر نیک عمل کریں گی تو انہیں یہ اعزاز و اکرام بخشا جائے گا کہ وہ دو مرتبہ اجر پائیں ۔

۶۲ ۔ یعنی اور عورتوں کے مقابلہ میں تمہیں یہ امتیاز حاصل ہے کہ تم نبی کی ازواج ہو لہٰذا تمہیں اپنی عملی زندگی میں زیادہ محتاط ہونا چاہئے ۔

۶۳ ۔ یہاں روگ سے مراد شہوت کی بیماری ہے ۔

عورتوں کی آواز بالعموم سریلی ہوتی ہے اور جب وہ لوچ کے ساتھ بات کرتی ہیں تو جن کی طبیعتوں میں شہوانی ہیجان ہوتا ہے وہ بری خواہشات میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ اس لئے تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ عورتیں مردوں سے بات کرتے ہوئے اپنے لہجہ میں لوچ پیدا نہ ہونے دیں ۔ اور جب تقویٰ کا تقاضا یہ ہے تو اس کی پابندی ہر عورت کو کرنا چاہئے ۔ یہاں ازواجِ نبی کو مخاطب کر کے یہ اور اس قسم کی جو دوسری ہدایات دی گئی ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ ہدایتیں ان کیلئے خاص ہیں اور دوسری عورتوں کیلئے نہیں ہیں ۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ازواجِ نبی کو ان کا کہیں زیادہ پابند ہونا چاہئے اور ان معاملات میں غایت درجہ محتاط ہونا چاہئے ۔

ضمناً اس سے یہ اصولی بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام جب عورتوں کو مردوں سے لوچ دار زبان میں بات کرنے سے منع کرتا ہے تو وہ ان کے گانے کو کس طرح گوارا کر سکتا ہے؟ اس کی حرمت بالکل واضح ہے مگر موجودہ زمانے میں عورتوں کا گانا اور وہ بھی نہایت فحش انداز میں اتنا عام ہو گیا ہے کہ اس کے منکر ہونے کا تصور ہی نہیں رہا، اب مشکل ہی سے ایسے افراد ملیں گے جو اس کی حرمت کے پیشِ نظر اس کے سننے سے اجتناب کرتے ہوں ۔

۶۴ ۔ یعنی تمہاری زبان سے جو بات بھی نکلے وہ بھلائی ہی کی ہو ۔ ہر قسم کی ناروا باتوں سے تمہیں سخت احتراز کرنا چاہئے ۔

۶۵ ۔ متن میں تبرج کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی اظہار اور نمائش کے ہیں اور اس سے مراد اجنبی مردوں کے سامنے زینت کی نمائش کرتے پھرنا ہے جیسا کہ سورۂ نور کی آیت ۶۰ (غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ اپنی زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں) سے واضح ہے اور الجاهلية الاولىٰ سے مراد غیر اسلامی طور طریقے ہیں جو اسلام سے پہلے رائج تھے مطلب یہ ہے کہ تمہارا اصل دائرہ کار گھر ہے جہاں رہ کر تمہیں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنا ہے اور اس غرض سے تو باہر نکلنا ہرگز روا نہیں کہ اپنی زینت کی نمائش کرتی پھرو ۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ازواج نبی کیلئے گھر سے نکلنا بالکل ممنوع تھا ۔ آگے آیت میں نبی ﷺ کی بیویوں، بیٹیوں اور عام مسلمان عورتوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کی وہ باہر نکلیں تو اپنے اوپر چادر ڈال لیا کریں جس سے باہر نکلنے کا جواز ثابت ہوتا ہے نیز حدیث میں آتا ہے کہ:

قَدْ اُذِنَ لَكُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَاجِتِكُن ''تمہیں اپنی ضرورت کیلئے باہر نکلنے کی اجازت دیدی گئی ہے''۔ (بخاری کتاب التفسیر)

ازواج نبی کے شایانِ شان بات یہی تھی کہ وہ اپنے گھروں میں قیام پذیر رہیں اور باہر نکلنے کے سلسلہ میں زیادہ محتاط رہیں ۔ رہیں عام مسلمان عورتیں تو اس آیت کی روشنی میں ان کا بھی اصل دائرہ کار گھر ہی قرار پاتا ہے لیکن چونکہ ان کو باہر نکلنے کی ضرورت ازواج نبی کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہو سکتی ہے اس لئے اس آیت کا منشاء یہ نہیں ہے کہ وہ گھر کی چہار دیواری میں بالکل محصور ہو کر رہ جائیں ۔ موجودہ زمانہ میں تو عورتوں کی واقعی ضرورتیں بہت بڑھ گئی ہیں مثلاً سفر، تعلیم و تعلم، عورتوں کیلئے سوشل خدمات، اپنی معاشی ضرورتوں کی تکمیل، دینی اجتماعات میں شرکت وغیرہ ۔ اس قسم کی واقعی ضرورتوں کیلئے عورتوں کے باہر نکلنے پر پابندی نہیں ہے بشرطیکہ وہ باہر نکلنے کے شرعی آداب کو ملحوظ رکھیں خاص طور سے یہ بات کہ وہ اپنے حُسن اور اپنی زینت کی نمائش نہ کریں ۔

۶۶۔ نماز اور زکوٰۃ کا حکم عام ہے لیکن خاص طور سے ازواج نبی کو خطاب کر کے حکم دینے کا منشاء یہ ہے کہ وہ سختی کے ساتھ اس پر کاربند ہو جائیں۔ اس آیت سے یہ بھی واضح ہوا کہ عورت کے مال کی زکوٰۃ عورت ہی کے ذمہ ہے نہ کہ اس کے شوہر کے ذمے اسلئے اس کو اپنے مال میں سے زکوٰۃ ادا کرنا چاہیئے۔

دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ نبی ﷺ کی ازواج بالکل مفلوک الحال نہیں تھیں جیسا کہ عام طور سے خیال کیا جاتا ہے بلکہ زکوٰۃ دے سکتی تھیں جب ہی تو انہیں زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کی ازواج کا مہر چار سو اسی درہم ہوا کرتا تھا جب کہ دو سو درہم پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔

۶۷۔ کلام کا سیاق وسباق (Context) اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہاں ''اہل بیت'' سے مراد نبی ﷺ کی ازواج ہیں مگر مسلمانوں کا ایک فرقہ جس نے حضرت علیؓ کی شان میں غلو کر کے امامت کا عقیدہ دین میں داخل کیا ہے وہ اس آیت میں بھی ''اہلِ بیت'' سے مراد حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لیتے ہیں۔ جہاں تک ''اہلِ بیت'' کے لغوی معنیٰ کا تعلق ہے اس میں بیویاں بدرجہ اولیٰ شامل ہیں ان کے علاوہ اولاد بھی۔ اس لئے اہلِ بیت نبوی کا اطلاق نبی ﷺ کی ازواج کے علاوہ آپ کی اولاد پر بھی ہوتا ہے لیکن اس آیت میں آپ کی ازواج کو اہلَ البیت کہہ کر خطاب کیا گیا ہے اور ہدایات بھی براہِ راست ان ہی کو دی گئی ہیں اس لئے اس موقع پر آپ کی صرف ازواج ہی مراد ہوسکتی ہیں لیکن قرآن کے واضح معنی میں انحراف کرنے والوں نے ''اہلِ بیت'' سے آپ کی ازواج کو تو خارج کر دیا اور حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ پر اس کو چسپاں کر دیا اور ان کی تطہیر سے ان کے معصوم ہونے اور پھر اماموں کے معصوم ہونے کا دعویٰ کر بیٹھے۔ یہ لوگ اس آیت کی جو تاویل کرتے ہیں اس کی غلطی واضح کرنے کیلئے ہم یہاں مختصراً چند باتیں عرض کریں گے۔

۱) قرآن میں اہلِ بیت کے الفاظ دو اور جگہ استعمال ہوئے ہیں ایک اس موقع پر جب کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم کی بیوی سارہ کو اسحاق کے پیدائش کی خوشخبری دی تھی اور جب انہوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو فرشتوں نے ان سے کہا:

اَتَعْجِبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ۔ (ھود: ۷۳)

''تم اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو۔ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے اہلِ بیت۔''

اس آیت میں اہلِ بیت کا خطاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سے ہے۔ دوسرے حضرت موسیٰ کی رضاعت کے سلسلہ میں جب ان کی بہن نے فرعون والوں سے کہا: ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی اَھْلِ بَیْتٍ یَّکْفُلُوْنَہٗ لَکُمْ۔ (قصص: ۱۲)

''کیا میں تمہیں ایسے گھر والوں کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس کی پرورش کریں گے۔''

اس آیت میں بھی اہلِ بیت سے مراد موسیٰ کی والدہ ہیں۔

واضح ہوا کہ اہلِ بیت میں ازواج بدرجۂ اولیٰ داخل ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت زینب کے ولیمہ کے موقع پر نبی ﷺ حضرت عائشہ کے حجرہ میں تشریف لے گئے تو فرمایا ''السلام علیکم اھل البیت ورحمۃ اللہ'' سلام اور اللہ کی رحمت ہو تم پر اہل بیت'' (بخاری کتاب التفسیر) یعنی نبی ﷺ نے خود اہل بیت کہہ کر اپنی ازواج کو مخاطب کیا ہے اس کے بعد آپ کی ازواج کے اہل بیت میں سے ہونے کیلئے کس دلیل کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

۲) یہ بات کہ آیت میں اھل البیت کے تعلق سے ضمیر میں مذکر استعمال ہوئی ہیں لہٰذا ازواج مراد نہیں ہوسکتیں یہ صحیح نہیں کیونکہ عربی میں لفظ

اہل کی رعایت سے ضمیر مذکر استعمال کی جاتی ہے چنانچہ اوپر جن دو آیتوں کا حوالہ دیا گیا ان میں بھی ضمیر اور فعل کا صیغہ مذکر ہی استعمال ہوا ہے جب کہ پہلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ سے خطاب ہے اور دوسری آیت میں اہلِ بیت سے مراد حضرت موسیٰ کی والدہ ہیں۔

۳) تاویل کرنے والے ان روایتوں کا سہارا لیتے ہیں جن میں بیان ہوا ہے کہ نبی ﷺ نے فاطمہ، حسن، حسین اور علی کو بلایا اور ایک چادر میں ڈھانک لیا اور فرمایا خدایا یہ میرے اہلِ بیت ہیں ان سے گندگی کو دور فرما اور انہیں خوب پاک صاف کر دے یہ حدیث ترمذی نے بیان کی ہے اور اس مفہوم کی متعدد روایتیں طبری نے اپنی تفسیر میں بھی بیان کی ہیں مگر یہ روایتیں ضعیف ہیں چنانچہ ترمذی نے اس کے غریب (ضعیف) ہونے کی صراحت کی ہے اور طبری کی روایتوں میں متعدد راوی شیعہ ہیں مثال کے طور پر ایک راوی عبداللہ بن عبدالقدوس ہیں جو شیعہ ہیں۔ ابن معین نے انہیں رافضی کہا ہے اور ابوداؤد نسائی اور دارقطنی نے اُسے ضعیف کہا ہے۔ (ان روایات کی تحقیق کیلئے دیکھئے الدکتور علی احمد السالوسی کی کتاب "ایۃ التطھیر بین امھات المؤمنین و اھل الکساء" شائع کردہ مکتبہ ابن تیمیہ پوسٹ بکس ۱۴۰۶۴ کویت)

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت نبی ﷺ کی دو اور صاحبزادیاں حضرت ام کلثومؓ اور حضرت زینبؓ زندہ تھیں، پھر ان کو چھوڑ کر صرف حضرت فاطمہ کو اہلِ بیت میں شامل کرنے کا کیا مطلب؟ ام کلثومؓ تو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں تھیں اور حضرت زینب ابوالعاص کے نکاح میں۔ لیکن چونکہ شیعہ حضرات علیؓ کی امامت کے دعویدار ہیں اس لئے وہ اہل بیت میں حضرت فاطمہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ کو تو شامل کرتے ہیں لیکن ام کلثومؓ اور زینب کو نظر انداز کر دیتے ہیں اس لئے عجب نہیں کہ مذکورہ روایت شیعوں ہی کی گھڑی ہوئی ہو۔

۴) تاویل کرنے والے اس آیت سے حضرت علیؓ اور اماموں کے معصوم ہونے پر استدلال کرتے ہیں لیکن آیت میں ایسی کوئی بات نہیں کہی گئی ہے اول تو یہ آیت نبی ﷺ کی ازواج کے بارے میں ہے مزید یہ کہ اس میں یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ اے اہل بیت تم کو اللہ نے پاک صاف کر دیا ہے بلکہ فرمایا ہے کہ اللہ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے اور یہ ایسی ہی بات ہے جیسے سورۂ مائدہ میں اہلِ ایمان کو وضو کا حکم دینے کے بعد فرمایا: وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ۔ "بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک صاف کرے۔" (مائدہ:۶) ظاہر ہے یہاں اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام اہل ایمان جن کو وضو کا حکم دیا جا رہا ہے وہ پاک اور معصوم ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ وضو کے حکم پر عمل کرنے سے ان کو پاکیزگی حاصل ہوگی۔ اس میں جس طرح اہل ایمان کے معصوم ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے اسی طرح آیت تطہیر میں بھی اہل بیت کے معصوم ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

قدرے طوالت کے ساتھ یہ وضاحت اس لئے کی گئی تا کہ اندازہ ہو جائے کہ جو لوگ اپنے مخصوص عقائد کو قرآن سے ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ قرآن کے واضح مفہوم کو چھوڑ کر کس طرح غلط تاویل کے چکر میں پڑ جاتے ہیں اور کمزور روایتوں کا سہارا لے کر قرآن کو روایتوں کے مطابق بنانا چاہتے ہیں خواہ اس کے لئے انہیں کتنا ہی تکلف کیوں نہ کرنا پڑے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ شیعیت اختیار کرنے والوں نے اپنے عقائد و مسلک کی تائید میں اس کثرت سے روایتیں گھڑی ہیں کہ سنی بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

۶۸ ۔ اللہ کی آیات سے مراد قرآن کی آیتیں ہیں اور حکمت سے مراد نبی ﷺ کی تعلیم اور آپ کے ارشادات ہیں۔ ان کو یاد رکھنے کا حکم خصوصیت کے ساتھ ازواج مطہرات کو دیا گیا، تا کہ سب سے پہلے وہ اس روشنی سے اپنی زندگیاں منور کریں اور ساتھ ہی اس فیض کو عام کرنے میں لگ جائیں۔

اس حکم کی تعمیل میں ازواجِ مطہرات نے حدیث کی جو خدمت انجام دی اس کے لئے پوری امت ان کی مرہونِ منت ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۶۹ ۔ اللہ لطیف یعنی باریک بیں ہے اس لئے اس سے کوئی بھی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔

۷۰ ۔ اوپر ازواج مطہرات کیلئے عنایت خاص تھی اب یہ مسلمان مردوں اور عورتوں کیلئے عنایت عام ہے۔ یہاں وہ اوصاف بیان ہوئے ہیں جو معیارِ مطلوب کی حیثیت رکھتے ہیں، اور ہر مسلمان کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کرنا چاہئے اور ان اوصاف ہی کی بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور اجرِ عظیم کا مستحق ہوگا۔

مسلم اور مؤمن یا اسلام اور ایمان دونوں الفاظ جب ایک ساتھ استعمال ہوتے ہیں تو اسلام سے مراد ہوتا ہے عقیدہ توحید کو قبول کر کے اسلام کو دین کی حیثیت سے اختیار کرنا اور ایمان سے مراد ہوتا ہے، دل کا اقرار، یعنی کسی شخص کا محض اپنے کو مسلمان کہلانا اور اسلامی عقائد کو ماننے کا اعلان کرنا اس کے مؤمن مخلص ہونے کیلئے کافی نہیں بلکہ مؤمن مخلص ہونے کیلئے ضروری ہے کہ وہ دل سے ان عقائد کو مانتا ہو اور اسے اسلام کے دین حق ہونے کا یقین ہو۔ یعنی کسی شخص کا اسلام اللہ تعالیٰ کے ہاں اسی صورت میں معتبر ہوگا جب کہ اس کا باطن اس سے ہم آہنگ ہو ورنہ نام نہاد مسلمان کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

۷۱ ۔ قانتین (فرمانبردار) ہونے کا وصف عملی وفاداری کو ظاہر کرتا ہے یعنی اسلام اور ایمان کے بعد عملاً انہوں نے اللہ کی وفاداری کا رویہ اختیار کیا۔

۷۲ ۔ سچ بولنا اور راست باز بننا بہت بڑی خوبی ہے مگر یہ خوبی وہی لوگ پیدا کرتے ہیں جو بلندی کی طرف چڑھنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ سہولت پسند انسان کو جھوٹ بولنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا اور موجودہ زمانہ میں جب کہ دنیا کا کاروبار جھوٹ ہی پر چل رہا ہے سچائی کو اختیار کئے رہنا نہایت مشکل کام ہے مگر صداقت شعاری انسان کا جوہر ہے اور اللہ کی نظر میں بہت عزیز ہے نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔

عَلَیْکُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ یَھْدِیْ اِلَی الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ یَھْدِیْ اِلَی الْجَنَّۃِ وَمَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَصْدُقُ وَیَتَحَرَّی الصِّدْقَ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰہِ صِدِّیْقًا۔ (مسلم کتاب البر)

''سچائی اختیار کرو کیونکہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف۔ آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور سچائی ہی کو اختیار کر لیتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق (بڑا سچا) لکھ لیا جاتا ہے۔'' (مسلم کتاب البر)

۷۳ ۔ صبر کی تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ رعد نوٹ ۵۱۔

۷۴ ۔ خشوع (عاجزی) کی تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ مؤمنون نوٹ ۲۔ یہاں خشوع کا اشارہ نماز کی طرف ہے۔

۷۵ ۔ صدقہ میں زکوٰۃ بھی شامل ہے اور اللہ کی راہ میں ہر قسم کا انفاق بھی۔ مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ توبہ نوٹ ۱۸۹۔

۷۶ ۔ شرمگاہوں کی حفاظت میں اپنی عفت و عصمت کی حفاظت بھی شامل ہے اور ستر پوشی (جسم کے قابل ستر اعضاء کو ڈھانکنا) بھی۔ ملاحظہ ہو سورۂ مؤمنون نوٹ ۵۔

۷۷ ۔ ذکر الٰہی کی تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۳۱۰۔ سورۂ طٰہٰ نوٹ ۱۶۔ اور ۱۶۱۔ نیز سورۂ عنکبوت نوٹ ۸۵۔

۷۸ ۔ مغفرت گویا جنت کا پروانہ ہے اور اجرِ عظیم ہمیشگی کی وہ نعمتیں ہیں جو نیک عمل کی جزا کے طور پر ملیں گی۔

یہاں آخرت کی کامیابی کی ضمانت ان ہی لوگوں کو دی گئی ہے جو اپنے اندر مذکورہ اوصاف پیدا کریں خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ رہے نام کے مسلمان جن کی زندگیاں ان اوصاف سے خالی ہوں تو ان کیلئے یہ ضمانت نہیں ہے۔

۷۹ ۔ اس آیت میں نہایت اہم اُصولی بات بیان ہوئی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کا انسانی زندگی کے معاملات و مسائل سے متعلق کوئی فیصلہ ایسا نہیں جسکے بعد کسی مسلمان کو چون و چرا کرنے یا اپنے اختیار کو استعمال کرنے کا حق باقی رہتا ہو۔ فیصلہ کا تعلق اختلافی مسائل سے ہو یا نزاعی معاملات

سے یا اس کی نوعیت رسول کے عدالتی فیصلہ کی ہو، ایک مسلمان کو اسے بسر وچشم تسلیم کرنا چاہیئے اور لازماً اس کی تعمیل کرنا چاہیئے ۔ زندگی کو مذہبی اور غیر مذہبی دوخانوں میں تقسیم کر کے اللہ اور اس کے رسول کے کتنے ہی فیصلوں کو جو عائلی، معاشی اور سیاسی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں رد کر دینا، اور سیکولر طرزِ زندگی کو اختیار کرنا اسلام سے صریح انحراف ہے۔

جہاں تک اللہ کے فیصلوں کا تعلق ہے وہ قرآن میں موجود ہیں اور قطعی حجت ہیں ۔ رہے رسول کے فیصلے تو جو تواتر سے ثابت ہیں ان کے حجت ہونے میں کلام نہیں اور جو ثقہ (معتبر) راویوں سے منقول ہیں وہ بھی یقیناً حجت ہیں، الّا یہ کہ کسی روایت کا متن (مضمون) قرآن کی کسی بات کے خلاف پڑتا ہو یا دوسرے ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف ہو یا اس روایت میں کوئی ایسی بات بیان ہوئی ہو، جو عقل سلیم اور بصیرت کے خلاف ہو، جو مضطرب (الجھی ہوئی) ہو یا جس کی سند متصل نہ ہو۔ ایسی روایتوں کے بارے میں جب وثوق سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ نبی ﷺ کے ارشادات ہیں تو وہ حجت نہیں ہو سکتیں ۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنتِ قیس کی اس حدیث کو جس میں بیان ہوا ہے کہ طلاق بائن دی ہوئی عورت کیلئے اس کے سابق شوہر کے ذمہ نفقہ نہیں ہے، یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ:

لَا نَتْرُکُ کِتَابَ اللّٰہِ وَ سُنَّۃَ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ لِقَوْلِ امْرَاۃٍ لَا نَدْرِیْ لَعَلَّھَا حَفِظَتْ اَوْ نَسِیَتْ ۔ (مسلم کتاب الطلاق)

''ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو محض ایک عورت کے کہنے پر ترک نہیں کریں گے ہمیں نہیں معلوم اس نے (ارشاد کو) محفوظ رکھا یا بھول گئی۔''

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾

۳۷ (اے نبی!) جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے احسان کیا ہے اور تم نے بھی ۸۰؎ کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو (یعنی طلاق نہ دو) اور اللہ سے ڈرو ۸۱؎ اور اپنے دل میں وہ بات چھپا رہے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا ۸۲؎ تم لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرو ۸۳؎ پھر جب زید اس سے اپنی غرض پوری کر چکا تو ہم نے اس کو تمہاری زوجیت میں دیدیا ۸۴؎ تاکہ مؤمنوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں، جب کہ وہ ان سے اپنی غرض پوری کر چکے ہوں کوئی تنگی نہ رہے ۸۵؎ اور اللہ کے حکم کو عمل میں آنا ہی تھا۔ ۸۶؎

مَا كَانَ عَلَى النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۙ ﴿۳۸﴾

۳۸ نبی پر ایسے کام میں کوئی تنگی نہیں جو اس کیلئے اللہ نے مقرر کر دیا ہو ۸۷؎ اللہ کی یہی سنت ان (انبیاء) کے معاملہ میں رہی ہے جو پہلے گزر چکے ہیں ۸۸؎ اور اللہ کا حکم ایک طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔ ۸۹؎

الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَیَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ﴿۳۹﴾

۳۹ وہ اللہ کے پیغامات کو پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ۹۰؎ اور حساب لینے کیلئے اللہ کافی ہے۔ ۹۱؎

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۴۰﴾

۴۰ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں ۹۲؎ بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں ۹۳؎ اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ ۹۴؎

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ۙ ﴿۴۱﴾

۴۱ اے ایمان والو! اللہ کو بہ کثرت یاد کرو۔ ۹۵؎

وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ﴿۴۲﴾

۴۲ اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو۔ ۹۶؎

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓىِٕكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ﴿۴۳﴾

۴۳ وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی، تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے ۹۷؎ وہ مؤمنوں پر بہت مہربان ہے۔

تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِیْمًا ﴿۴۴﴾

۴۴ جس دن وہ اس سے ملیں گے، ان کا خیر مقدم سلام سے ہوگا ۹۸؎ اور ان کے لئے اس نے باعزت اجر تیار کر رکھا ہے۔

۸۰ ۔ مراد زید بن حارثہ ہیں جو غلام تھے اور نبی ﷺ نے نبوت سے قبل ان کو آزاد کر کے اپنے بیٹے کی طرح ان کی پرورش کی تھی اس لئے وہ آپ کے متبنیٰ لے پالک (Adopted Son) کہلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے زید پر یہ احسان کیا کہ نبی ﷺ کی صحبت میں رہنے کی بنا پر انہیں ایمان کی توفیق بخشی چنانچہ مکہ میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں حضرت زید شامل ہیں اور نبی ﷺ نے ان پر یہ احسان کیا تھا کہ ان کو غلامی سے آزاد کر کے ان کی پرورش اور تربیت کی تھی۔ اللہ کے اس فضل اور نبی ﷺ کے اس احسان کے نتیجہ میں حضرت زید ایک اہم شخصیت بن کر ابھرے اور نہایت اہم کارنامے انجام دیئے۔ یہ نمایاں مثال ہے اس بات کی کہ اسلام نے ایک غلام کو کتنے اونچے مقام پر پہنچایا !

۸۱ ۔ حضرت زید نے حضرت زینب بنت جحش سے جو نبی ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں نکاح کر لیا تھا۔ ایک آزاد کردہ غلام کا نکاح ایک قریش کی خاتون کے ساتھ ہونا معاشرتی مساوات (سماجی برابری) کو قائم کرنے کی اعلیٰ مثال ہے لیکن چونکہ مزاج میل نہیں کھاتے تھے اس لئے ایک ڈیڑھ سال کے اندر ہی نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔ اس موقعہ پر نبی ﷺ نے زید کو طلاق سے روکنا چاہا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اس معاملہ میں اللہ سے ڈریں۔ مگر جب زید نے دیکھا کہ نباہ مشکل ہے تو انہوں نے اپنی بیوی کو قیدِ نکاح سے آزاد کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس سے ایک اصولی بات تو یہ واضح ہوئی کہ اسلام نے اگرچہ مرد کو طلاق کا اختیار دیا ہے لیکن اس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے اسے اللہ سے ڈرنا چاہئے یعنی اس اختیار کے بیجا استعمال سے عورت کو سخت تکلیف پہنچ سکتی ہے اور یہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ بات ہوگی اور اس پر گرفت ہو سکتی ہے۔

دوسری بات یہ واضح ہوئی کہ نبی ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ زید اپنی بیوی کو طلاق دیدیں، لہٰذا جن روایتوں میں اس واقعہ کو افسانے کا رنگ دے کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ نبی ﷺ زید کی منکوحہ کو اپنے نکاح میں لانے کے خواہش مند تھے وہ قرآن کے بیان کے خلاف ہے اور ایک ایسی بات ہے جو آپ کی پاکیزہ سیرت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، اس بنا پر یہ روایتیں قابل رد ہیں۔

اس طرح یہ روایت بھی محل نظر ہے کہ حضرت زینب حضرت زید سے نکاح کرنے کیلئے آمادہ نہیں تھیں لیکن نبی ﷺ کے اصرار پر انہوں نے نکاح کر لیا تھا جو بال آخر طلاق پر منتج (ختم) ہوا۔ اول تو یہ بات کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور نبی ﷺ کی طرف کسی بات کو منسوب کرنے کیلئے حدیث کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ محض سیرت نگاروں کا لکھ دینا یا ابن ابی حاتم جیسی حدیث کی تیسرے درجہ کی کتاب میں کسی روایت کا بیان ہونا حدیثِ رسول ہونے کا کافی ثبوت نہیں ہے۔ مزید یہ کہ ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ آپ نے کسی خاتون کو اس کی پسند کے خلاف کسی شخص سے نکاح کرنے پر مجبور کیا ہو۔ یہاں تک کہ بریرہ کو اس کا سابق شوہر دوبارہ اپنے نکاح میں لینے کیلئے سخت پریشان اور بے چین رہا اور نبی ﷺ بھی اس پریشانی کو دیکھتے ہوئے یہ چاہتے تھے کہ بریرہ اپنے سابق شوہر کی طرف لوٹ جائیں لیکن آپ نے اس کو مجبور نہیں کیا اور نہ وہ اپنے سابق شوہر کے پاس لوٹیں پھر آپ اپنی پھوپھی زاد بہن کو ایک ایسے شخص سے نکاح کیلئے کیوں مجبور کرتے جو پہلے غلام رہ چکا تھا۔

۸۲ ۔ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ آیت کے آخری الفاظ وَ کَانَ اَمْرُ اللّٰہِ مَفْعُوْلاً (اور اللہ کے حکم کو تو عمل میں آنا ہی تھا) سے ظاہر ہے یہ حکم دیا گیا تھا کہ زید کے طلاق دینے کی صورت میں آپ کو ان کی مطلقہ سے نکاح کرنا ہوگا تاکہ جاہلیت کی یہ رسم کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح نہیں کیا جا سکتا ختم ہو جائے لیکن آپ یہ اندیشہ محسوس فرما رہے تھے کہ اس صورت میں منافقین اور کفار کو آپ کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کرنے کا موقع ملے گا۔ اس لئے آپ چاہتے تھے کہ نہ زید طلاق دیں اور نہ آپ کو ان کی مطلقہ سے نکاح کرنے کی نوبت آئے مگر اللہ آپ کے اس اندیشہ کو جو آپ دل ہی دل میں محسوس فرما رہے تھے ظاہر کرنے والا تھا چنانچہ اس نے اس آیت کے ذریعہ نہ صرف اس کو ظاہر کر دیا بلکہ اس پر متنبہ بھی فرمایا کہ اللہ کے حکم کے معاملہ میں کسی اندیشہ کو خاطر میں لانا صحیح نہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں پس وپیش کیا تھا کیونکہ ابھی اس حکم کی تعمیل کی نوبت ہی نہیں آئی تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ گو اس کے حکم کی تعمیل کی نوبت ابھی نہیں آئی تھی لیکن جب ایک اشارہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل گیا تو پھر لوگوں کی طرف سے وارد ہونے والے اعتراضات کو خاطر میں لانا ایک نبی کے شایان شان نہیں ہے۔

آیت کے سیاق وسباق سے یہی مطلب واضح ہوتا ہے لیکن بعض روایتوں میں اس کا بالکل الٹا مطلب بیان ہوا ہے اور یہ روایتیں بعض تفسیروں میں بھی آ گئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ بظاہر زید کو طلاق دینے سے منع فرما رہے تھے لیکن چاہتے تھے کہ زید اپنی بیوی کو طلاق دیں تا کہ پھر آپ اس سے نکاح کریں یہی بات تھی جس کو آپ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے مگر ان روایتوں کی تردید کیلئے آیت کے یہ الفاظ ہی کافی ہیں کہ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ (جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا) اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے سلسلہ میں کیا بات ظاہر فرمائی؟ آیا یہ کہ آپ چاہتے تھے کہ زید اپنی بیوی کو طلاق دیں تا کہ آپ اس سے نکاح کر سکیں یا یہ کہ آپ زید کو طلاق دینے سے منع کر رہے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بیوی سے نکاح کی نوبت آئے۔ پہلی بات تو اللہ تعالیٰ نے کہیں نہیں ظاہر فرمائی پھر راویوں کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ اپنے دل میں حضرت زینب سے نکاح کرنے کا خیال چھپائے ہوئے تھے؟ البتہ دوسری بات کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ زید انہیں طلاق دیں اور پھر ان سے نکاح کرنے کی نوبت آئے اور لوگوں کو اعتراضات کا موقع ملے آیت کے مضمون سے بالکل واضح ہے۔

۸۳۔ یہ نبی ﷺ کو تنبّٰہ ہے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں لوگوں کے تعلق سے کسی اندیشہ کو خاطر میں لانا صحیح نہیں۔ قرآن کی نبی ﷺ پر یہ گرفت قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی واضح دلیل اور آپ کی صداقت کا روشن ثبوت ہے۔ اگر قرآن آپ کی تصنیف کردہ کتاب ہوتی تو اس میں ایسی آیتیں نہ ہوتیں جن میں آپ کی ادنیٰ کوتاہی پر سخت گرفت کی گئی ہے۔

۸۴۔ یعنی جب زید نے اپنی بیوی زینب بنت جحش کو طلاق دیدی اور اس کی عدت پوری ہوگئی تو اللہ نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اس سے نکاح کریں چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل کی اور حضرت زینب آپ کی زوجیت میں آ گئیں ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ:

''رسول ﷺ نے زینب بنتِ جحش بن رسائب الاسدیہ سے نکاح کر لیا۔ ان کے بھائی ابواحمد بن جحش نے آپ سے ان کا نکاح کر دیا اور رسول ﷺ نے ان کا مہر چار سو درہم دیا۔ اس سے پہلے وہ رسول ﷺ کے (آزاد کردہ) غلام زید بن حارثہ کے نکاح میں تھیں ان ہی کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا ۔ ''جب زید نے اپنی غرض پوری کر لی تو ہم نے اس کا نکاح تم سے کر دیا۔'' (سیرت ابنِ ہشام ج ۴ ص ۳۲۲)

یہ روایت اگر صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ نکاح شرعی قاعدے کے مطابق ہی انجام پایا تھا البتہ چونکہ یہ اللہ کے حکم سے ہوا تھا اس لئے اسے یک گونہ امتیاز حاصل تھا۔ اسی بنا پر حضرت زینب اپنے نکاح کو باعثِ فخر خیال کرتی تھیں بخاری میں ہے:

''زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی ازواج سے فخر یہ کہتیں، آپ لوگوں کا نکاح آپ کے گھر والوں نے کر دیا لیکن میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان کے اوپر سے کر دیا۔'' (تفسیر ابنِ کثیر ج ۳ ص ۴۹۱)

بہر کیف یہ بات قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کا نکاح اللہ کے حکم سے ہوا تھا۔ اس لئے اس نکاح کے تعلق سے جن روایتوں میں لغو قصے بیان ہوئے ہیں ان کی آپ سے آپ تردید ہو جاتی ہے۔ ابنِ جریر طبری کو اللہ معاف کرے انہوں نے احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا اور ایک ایسی روایت نقل کی جس میں اس نکاح کے تعلق سے نہایت بے ہودہ قصہ بیان ہوا ہے اور جو نبی ﷺ کی شان میں توہین

کا باعث ہے۔ایسی روایتوں سے دشمنانِ اسلام کو شخصیتِ رسول پر طنز و تشنیع کا موقعہ ملتا ہے۔ہم اس بے ہودہ روایت کو یہاں نقل کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتے اور علامہ ابن کثیر کی اس صراحت کو کافی خیال کرتے ہیں کہ: ''اس موقع پر ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے بعض سلف رضی اللہ عنہم سے کچھ اقوال نقل کئے ہیں، لیکن ان کی عدم صحت کی بنا پر ہم نے ان کو نظر انداز کرنا مناسب سمجھا لہٰذا ہم ان کو بیان نہیں کریں گے۔'' (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۹۱)

۸۵ ۔ یہ وہ مصلحت ہے، جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو زید کی مطلقہ سے نکاح کرنے کا خصوصیت کے ساتھ حکم دیا تھا۔اس نکاح نے وہ رکاوٹ دور کردی جو منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے بیاہ کرنے کے سلسلے میں زمانۂ جاہلیت سے چلی آ رہی تھی اور اسلام کے عائلی قانون کی ایک اہم دفعہ روشن ہو کر سامنے آ گئی۔

حضرت زینب سے نبی ﷺ کا نکاح اس وقت ہوا جب کہ آپ کی چار بیویاں موجود تھیں۔چار سے زائد عورتوں سے نکاح کی جو اجازت آپ کو خاص طور سے دی گئی تھی وہ متعدد دینی مصالح ہی پر مبنی تھی۔مگر معترضین اس سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور شانِ نبوت میں طعن کر کے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کی بھی گمراہی کا سامان کرتے ہیں۔موجودہ زمانہ میں تو معترضین نے اس کو خاص موضوع بنا لیا ہے۔شاید انہیں یہ نہیں معلوم کہ چاند پر تھوکنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

۸۶ ۔ یعنی جب اللہ نے اپنے نبی کو اس نکاح کا حکم دیا تھا تو وہ لازماً عمل میں آنا چاہئے تھا۔

۸۷ ۔ یعنی نبی کو اطمینان رکھنا چاہیئے کہ جو کام بھی اللہ نے اس کیلئے تجویز کیا خواہ وہ نکاح ہی کا معاملہ کیوں نہ ہو اس کے کرنے میں اس کیلئے کوئی حرج نہیں ہے، نہ اس کو اعتراضات کی پروا کرنا چاہئے اور نہ اس خیال سے پریشان ہو جانا چاہیئے، کہ اس کو اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کا ذریعہ بنایا جائے گا۔کیونکہ اللہ اپنے دین کی مصلحتوں کو بہتر جانتا ہے۔

۸۸ ۔ یعنی اس سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ ایسے احکام دیتا رہا ہے، جو ان کیلئے اس پہلو سے وجۂ آزمائش رہے ہیں کہ ان کے مخالفین ان کو ان کی کردار کشی کا ذریعہ بنا لیں گے۔لیکن انہوں نے ان کی کوئی پرواہ نہ کرتے ہوئے اللہ کے احکام کی تعمیل کی اور یہی سنتِ انبیاء ہے۔

نبی ﷺ نے بھی حضرت زینب سے نکاح کر کے اللہ کے ارشاد کی تعمیل کی اور وہی طریقہ اختیار کیا جو انبیاء علیہم السلام کا رہا ہے اس بات کے علی الرغم کہ مخالفین کیا کہتے ہیں۔آغاز میں جب آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف اشارہ ملا تھا یہ خیال ضرور پریشان کرتا رہا کہ مخالفین اس کے ذریعہ آپ کی سیرت کو داغ دار بنانے کی کوشش کریں گے۔لیکن جب اللہ کا واضح حکم آ گیا تو آپ نے بلا تامل ارشاد کی تعمیل کی۔

موجودہ زمانہ میں مغربی تہذیب کے پرستار جب آپ کی حیاتِ طیبہ میں کسی نقص کی نشاندہی کرنے سے اپنے کو قاصر پاتے ہیں تو آپ کی ازواج کی تعداد کو موضوع بحث بنا کر آپ کی شان میں طعن و تشنیع کرنے لگتے ہیں۔جب کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ آپ نے یہ نکاح شوقیہ نہیں کئے تھے، بلکہ دین کی عظیم مصلحت کے پیشِ نظر کئے تھے اور حضرت زینب سے نکاح تو آپ نے اللہ کے براہِ راست حکم سے کیا تھا، ورنہ آپ اس کے خواہش مند نہ تھے۔اور جب حقیقت یہ ہے تو اعتراض کرنے والوں کو جواب دینے کے لئے معذرت خواہانہ انداز اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۸۹ ۔ یعنی اللہ جب اپنے نبی کو کسی کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس کی حیثیت ایک طے شدہ فیصلہ کی ہوتی ہے جو لازماً وقوع میں آ جانا چاہئے۔اس کو کسی طرح ٹالا نہیں جا سکتا۔

۹۰ ۔ یعنی انبیاء کا طریقہ یہی رہا ہے کہ وہ اللہ کے پیغامات کو پہنچانے کی ذمہ داری ادا کرتے رہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے کسی کے اعتراض یا ملامت کی پرواہ نہیں کی۔اور صرف اللہ ہی سے ڈرتے رہے۔ان ہی کے نقشِ قدم کی (اے نبی!) آپ کو بھی پیروی کرنی ہے۔

۹۱ ؎ یعنی جب حساب اللہ کو دینا ہے تو اس کی فکر دامن گیر ہونی چاہئے۔

۹۲ ؎ یعنی محمد ﷺ جب تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں تو نہ زید آپ کے بیٹے ہوئے اور نہ زینب آپ کی بہو ہوئیں پھر زینب کے مطلقہ ہونے پر ان سے آپ کے نکاح کرنے میں کیا حرج ہے؟

واضح رہے کہ نبی ﷺ کو اولاد ذکور ضرور ہوئی لیکن ان کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا اور اس آیت کے نزول کے وقت کوئی بیٹا بھی زندہ نہیں تھا۔ بعد میں ماریہ قبطیہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام آپ نے ابراہیم رکھا تھا مگر اس نے بھی بچپن ہی میں وفات پائی۔

۹۳ ؎ خاتَم (ت کے زبر کے ساتھ) کے معنی آخر کے ہیں عربی کی مشہور اور مستند لغت لسان العرب میں ہے:

خاتَمُهم: آخِرُهم ''قوم کا خاتم یعنی ان کا آخری شخص''۔ (لسان العرب ج ۱۲ ص ۱۶۴)

اور خاتَم النبیین کے معنی آخری نبی کے ہیں۔ اس موقع پر نبی اور رسول کے اس فرق کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ نبی کی بہ نسبت رسول کا منصب خاص ہے یعنی ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی منصب کے لحاظ سے رسول نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب اس آیت سے حضرت محمد ﷺ کے آخری نبی ہونے کی صراحت کر دی گئی تو آپ کا آخری رسول ہونا خود بخود واضح ہو گیا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ محمد ﷺ کے بعد کوئی رسول یا نبی آنے والا نہیں ہے، اس لئے دین کی تکمیل آپ ہی کے ہاتھوں انجام پانا ہے، اور اس کا تقاضا ہے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کی ممانعت کی جو رسم زمانۂ جاہلیت سے چلی آ رہی ہے، اس کا آپ کے ہاتھوں خاتمہ ہو اور لوگوں پر یہ واضح ہو جائے، کہ اللہ کی شریعت میں یہ نکاح بالکل جائز ہے۔ اگر آپ کے ہاتھوں اس رسم جاہلیت کی اصلاح نہیں ہوئی تو پھر آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے جو اس کسر کو پورا کر دے۔

آیت میں ختمِ نبوت کی جو بات بیان ہوئی ہے وہ اسلامی عقیدہ کا ایک اہم جزء ہے۔ قرآن نہ صرف یہ کہ آنے والے کسی نبی کی پیشین گوئی نہیں کرتا جب کہ سابقہ آسمانی کتب میں آنے والے نبی کے بارے میں پیشین گوئیاں موجود رہی ہیں بلکہ قرآن حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی قرار دیتے ہوئے دین کی تکمیل کا اعلان کرتا ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (سورۂ مائدہ: ۳) یعنی جب اسلام بدر کامل بن کر آسمان پر جلوہ گر ہو گیا ہے تو اب مزید کسی روشنی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ پھر یہ ضمانت بھی دی گئی کہ جو ہدایت اس نبی پر نازل کی گئی ہے وہ محفوظ رہنے والی ہے اس لئے کہ اس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لے رکھی ہے۔ (اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ سورۂ حجر: ۹) اس لئے اس میں کسی تحریف کا بھی امکان نہیں ہے کہ کسی دوسرے نبی کو اس کی اصلاح کیلئے بھیج دیا جائے۔

ختمِ نبوت کے ثبوت میں قرآن کے علاوہ بہ کثرت حدیثوں کو پیش کیا جا سکتا ہے مثال کے طور پر یہاں چند صحیح حدیثیں پیش کی جاتی ہیں:

مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِیَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَیَعْجَبُوْنَ لَهٗ وَیَقُوْلُوْنَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ قَالَ فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ۔ (بخاری کتاب احادیث الانبیاء)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اور گذشتہ انبیاء کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ایک خوبصورت اور شاندار مکان بنایا، لیکن اس کے ایک گوشے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی لوگ اس کے گرد گھومتے اور اس کی خوبصورتی پر تعجب کرتے البتہ (خالی جگہ کو دیکھ کر) کہتے کیا بات ہے یہاں اینٹ نہیں رکھی گئی! آپ ﷺ نے فرمایا تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔''

کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِیَاءُ کُلَّمَا هَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَهٗ نَبِیٌّ وَاِنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَسَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ۔ (بخاری کتاب المناقب)

''بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے جب ایک نبی وفات پا جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں بلکہ خلفاء ہوں گے۔''

وَ اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً وَ خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ۔ (مسلم کتاب المساجد)

''مجھے ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیج دیا گیا ہے اور انبیاء کا سلسلہ مجھ پر ختم کر دیا گیا ہے۔''

وَ اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَانَبِیَّ بَعْدِی۔ (ترمذی ابواب الفتن)

''میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

آپ کے آخری نبی ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے اور پوری امت اس پر متفق ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر اللہ کی کتاب ناطق ہے۔ سنت نے بھی اس کو کھول کر بیان کر دیا ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے۔ لہٰذا جو شخص اس کے خلاف کوئی دعویٰ کرے، اسے کافر قرار دیا جائے گا اور اگر اس نے اس پر اسرار کیا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔'' (روح المعانی ج ۲۲ ص ۲۱)

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:۔

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اس کے رسول ﷺ نے اپنی سنت میں، جو تواتر سے ثابت ہے۔ خبر دی کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ کے بعد جو شخص بھی اس مقام کا مدعی ہوگا وہ جھوٹا، افترا پرداز اور دجال (فریب کار) ہے، خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۹۴)

ختم نبوت کے اس واضح عقیدے کے باوجود جس پر قرآن وسنت ناطق ہیں، اور جس پر امت کا اتفاق ہے، موجودہ زمانہ میں کچھ لوگوں نے اس کی غلط اور گمراہ کن تاویل کر کے ایک نئی نبوت کا فتنہ کھڑا کر دیا ہے۔ قادیانی مذہب کی اساس اسی باطل عقیدے پر ہے اور بہائی مذہب بھی نئی نبوت ہی کا مدعی ہے۔ حالانکہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ پرلے درجہ کی گمراہی اور ایک سنگین جرم ہے۔

قرآن کہتا ہے: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْہِ شَیْئٌ۔ (انعام ۔ ۹۳)

''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گھڑے یا دعویٰ کرے، کہ مجھ پر وحی کی گئی ہے۔ درانحالیکہ اس پر کوئی وحی نہ کی گئی ہو۔''

اور جو لوگ نبوت کے جھوٹے مدعیوں پر ایمان لاتے ہیں، وہ درحقیقت طاغوت پر ایمان لاتے ہیں، جب کہ اس سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۹۴ ۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اللہ نے ختم نبوت کا فیصلہ اپنے علم کی بنا پر کیا ہے۔ اس کو آئندہ حالات کا بھی علم ہے اس لئے اس کے فیصلہ میں کسی غلطی کا امکان نہیں۔ اب یہ آفتاب قیامت تک روشنی دیتا رہے گا۔

۹۵ ۔ ذکر الٰہی ایک ایسی عبادت ہے جس کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے۔ یہ جس کثرت سے ہو سکے مطلوب ہے۔ اور ذکر کا مطلب جیسا کہ ہم واضح کرتے آئے ہیں، حضورِ قلب کے ساتھ اللہ کو یاد کرنا، زبان پر اس کا نام جاری رکھنا، اور شعوری طور پر اس کی حمد وثنا کے کلمات ادا کرتے رہنا ہے۔ اللہ کو اس طرح یاد کرنے ہی کا وہ ثمرہ ہے جو آگے آیت ۴۳ میں بیان ہوا ہے۔ اور حدیث میں ایسے ہی ذکر کی فضیلت بیان ہوئی ہے:

مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَایَذْکُرُہٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ۔ (بخاری کتاب الدعوات)

''اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور اس کی جو یاد نہیں کرتا زندہ اور مردہ کی سی ہے۔''

یعنی اللہ کو یاد کرنے سے شعور بیدار ہوتا ہے اور باطن میں تروتازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن جو شخص اللہ کو یاد نہیں کرتا وہ غفلت میں پڑا رہتا ہے اور اس کا ضمیر مُردہ ہو جاتا ہے۔

اِنَّ رسولُ اللّٰہِ ﷺ قَالَ : یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالیٰ : اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِی ، وَ اَنَا مَعَہٗ اِذَا ذَکَرَنِی ، فَاِنْ ذَکَرَنِی ، فِی نَفْسِہٖ ذَکَرْتُہٗ فِیْ نَفْسِی وَاِنْ ذَکَرَنِی فِی مَلَاءٍ ذَکَرْتُہٗ فِی مَلَاءٍ خَیْرٍ مِنْھُمْ۔ (بخاری کتاب التوحید)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے : میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ رہتا ہوں جو وہ مجھ سے رکھتا ہے۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ رہتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اپنے دل میں اسے یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر مجلس میں کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجلس میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔''

قَالَ : لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔ (ترمذی ابواب الدعوات)

''تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔''

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت : کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَذْکُرُ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ اَحْیَانِہٖ۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے تمام اوقات میں اللہ کو یاد کیا کرتے تھے۔'' (ریاض الصالحین بروایۃ مسلم)

قرآن و سنت کی ان تصریحات کے پیش نظر ذکر الٰہی کے کلمات کی زبان سے ادائیگی کی اہمیت کو گھٹانا یا اس کو بے وقعت خیال کرنا بڑی غلط بات ہے اور دین میں بصیرت کی کمی کی علامت ہے۔

۹۶۔ تسبیح سے مراد تسبیح کے لئے دانے گھمانا نہیں ، بلکہ اللہ کی پاکی بیان کرنا ہے۔ اس تسبیح کیلئے صبح و شام کے اوقات بڑی اہمیت رکھتے ہیں اس لئے خاص طور سے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

۹۷۔ یہ ثمرہ ہے اللہ کے ذکر اور اس کی تسبیح کا۔ جب یہ چیز ایک مؤمن کا وظیفہ حیات بن جاتی ہے تو اللہ اس پر رحمت بھیجتا ہے اور فرشتے اس کے حق میں رحمت کی دعا کرتے ہیں اور اس کی برکتیں اس طرح ظاہر ہونے لگتی ہیں کہ جہالت کی تاریکیوں سے نکلنا اور علم و ہدایت کی روشنی میں آنا آسان ہو جاتا ہے۔

۹۸۔ یہ اعزاز ہے جو اللہ کو بہ کثرت یاد کرنے والے مؤمنوں کو قیامت کے دن بخشا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا خیر مقدم سلام کے معزز اور امن بخشنے والے کلمے کے ساتھ ہوگا۔

اے نبی! ہم نے تمہیں شاہد (گواہی دینے والا)، مبشر
(خوشخبری دینے والا) اور نذیر (خبردار کرنے والا)
بنا کر بھیجا ہے۔ اور اللہ کی طرف اس کے اذن سے
دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر۔ (القرآن)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾

۴۵ اے نبی! ہم نے تمہیں شاہد ۹۹؎ (گواہی دینے والا)، مبشر ۱۰۰؎ (خوشخبری دینے والا) اور نذیر ۱۰۱؎ (خبردار کرنے والا) بنا کر بھیجا ہے۔

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾

۴۶ اور اللہ کی طرف اس کے اذن سے دعوت دینے والا ۱۰۲؎ اور روشن چراغ بنا کر۔ ۱۰۳؎

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾

۴۷ مؤمنوں کو خوشخبری دو کہ ان کیلئے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾

۴۸ اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو، ان کی ایذا رسانی کی پروانہ کرو اور اللہ پر توکل کرو۔ اللہ اس بات کیلئے کافی ہے کہ اس پر توکل کیا جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

۴۹ اے ایمان لانے والو! ۱۰۴؎ جب تم مؤمن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدو، تو تمہارے لئے ان پر کوئی عدت واجب نہیں ہے جس کو تم شمار کرو۔ مگر انہیں متاع (کچھ مال) دو اور خوب صورتی کے ساتھ رخصت کرو۔ ۱۰۵؎

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾

۵۰ اے نبی! ۱۰۶؎ ہم نے تمہارے لئے تمہاری ان بیویوں کو جائز کر دیا جن کے مہر تم ادا کر چکے ہو ۱۰۷؎۔ اور ان عورتوں کو بھی جو اللہ کے عطا کردہ مالِ غنیمت میں سے تمہاری ملکیت میں آئیں ۱۰۸؎۔ اور تمہارے چچا، تمہاری پھوپھیوں، تمہارے ماموں اور تمہاری خالاؤں کی ان بیٹیوں کو بھی جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے ۱۰۹؎۔ اور اس مؤمن عورت کو بھی جس نے اپنے آپ کو نبی کے لئے ہبہ کر دیا ہو بشرطیکہ نبی اس کو اپنے نکاح میں لانا چاہے ۱۱۰؎۔ یہ دوسرے مؤمنوں کو چھوڑ کر خاص طور سے تمہارے لئے ہے ۱۱۱؎ ۔۔۔۔ ہم کو معلوم ہے کہ ہم نے ان کی بیویوں اور ان کی مملوک عورتوں کے بارے میں ان پر کیا فرض کیا ہے ۱۱۲؎ ۔۔۔۔۔ تاکہ تم پر کوئی تنگی نہ رہے ۱۱۳؎۔ اور اللہ معاف کرنے والا رحم فرمانے والا ہے ۱۱۴؎۔

۹۹ ۔ یہاں نبی ﷺ کی چند اہم خصوصیات بیان ہوئی ہیں جو منصبِ رسالت سے تعلق رکھتی ہیں۔

پہلی خصوصیت یہ کہ آپ شاہد ہیں۔ شاہد کے معنی ہیں:

الشَّاهِدُ الْعَالِمُ الَّذِیْ یُبَیِّنُ مَاعَلِمَهٗ۔ (لسان العرب ج ۳ ص ۲۳۹)

''شاہد یعنی جاننے والا جو بیان کرے اس بات کو جسے وہ جانتا ہے۔''

اور شہادت کے معنی قطعی خبر کے ہیں:

والشهادة خبر قاطع (ایضاً) ''شہادت یعنی قطعی خبر''

نبی ﷺ کے شاہد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ علمِ وحی کی بنا پر اللہ کی ذات وصفات، اس کے احکام اور اس کی پسند و ناپسند کی قطعی خبر دینے والے ہیں۔ بالفاظِ دیگر آپ اللہ کی طرف سے دینِ حق کی گواہی دینے والے ہیں۔ سورۂ مزمل میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ (المزمل: ۱۵)

''ہم نے تمہاری طرف رسول تم پر شاہد بنا کر اسی طرح بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔''

بعض اردو مترجمین نے شاہد کا ترجمہ ''حاضر و ناظر'' کر دیا ہے جو نبی ﷺ کے بارے میں ان کے غلو آمیز اور بدعتی عقیدہ کی ترجمانی کرتا ہے لیکن محلِ کلام کے لحاظ سے یہ معنی بالکل غلط ہیں۔

۱۰۰ ۔ دوسری خصوصیت یہ کہ آپ مبشر ہیں یعنی ایمان لانے والوں کو اللہ کی رحمت اور ابدی کامیابی کی خوشخبری دینے والے ہیں۔ یہ خوشخبری قرآن میں بھی دی گئی ہے اور نبی ﷺ نے اپنے ارشادات میں بھی دی ہے۔ احادیث صحیحہ میں نیک اعمال کے جو فضائل بیان ہوئے ہیں وہ درحقیقت اسی بشارت کی لڑی میں پروئے ہوئے موتی ہیں۔ مگر یاد رہے کہ یہ دولت ان ہی لوگوں کا حصہ ہے جو اپنے ایمان میں مخلص اور اللہ سے ڈرنے والے ہوں۔

۱۰۱ ۔ تیسری خصوصیت یہ کہ آپ ''نذیر'' ہیں یعنی کفر اور سرکشی اختیار کرنے والوں کو اللہ کے عذاب اور آخرت کے بُرے انجام سے خبردار کرنے والے ہیں۔ قرآن میں انذار (خبردار کرنے) کا پہلو اس قدر نمایاں ہے کہ جو شخص بھی قرآن کا مطالعہ کرے گا وہ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہے گا کہ منکرین اور مجرمین کیلئے جہنم بالکل بے نقاب ہو کر سامنے آ گئی ہے۔ اور احادیثِ رسول میں بھی اعمالِ بد کے بُرے انجام سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔

۱۰۲ ۔ چوتھی خصوصیت یہ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس بات پر مامور کیا ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ کی طرف بلائیں۔ چونکہ یہ دعوت آپ اللہ کے اذن سے دے رہے ہیں اس لئے آپ کی دعوت بالکل حق ہے اور کمال درجہ صحت پر مبنی ہے۔

۱۰۳ ۔ پانچویں خصوصیت یہ کہ آپ ''سراج منیر'' یعنی روشن چراغ ہیں۔ مراد چراغِ ہدایت ہے جس کی روشنی میں آدمی منزلِ مقصود کو پہنچ سکتا ہے۔ قرآن وسنت میں یہ پہلو اس طرح اجاگر ہوئے ہیں کہ گویا آج بھی آپ ہمارے درمیان ان تمام خصوصیات کے ساتھ رہنمائی کیلئے موجود ہیں۔

۱۰۴ ۔ یہاں سے کلام کا رخ پھر معاشرتی احکام کی طرف مڑتا ہے۔ اس آیت میں طلاق سے متعلق مسئلہ کا جواب دیا گیا ہے اور بعد کی چند آیات میں نبی ﷺ کیلئے تزویج کے تعلق سے مخصوص احکام بیان ہوئے ہیں۔

۱۰۵ ۔ یہاں نکاح کا لفظ عقد کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور یہی اس لفظ کے اصل معنی ہیں اور **تَمَسُّوْهُنَّ** (ان کو چھونے) سے مراد زن وشوئی کا تعلق قائم کرنا ہے۔

اگر کسی نے نکاح کے بعد اپنی بیوی سے زن وشوئی کا تعلق قائم کرنے سے پہلے ہی طلاق دیدی تو اس صورت میں عورت کو عدت گزارنا نہیں ہوگی

لیکن اس صورت میں عورت کو متعۂ طلاق (کچھ مال نقد یا کپڑے زیورات وغیرہ کی شکل میں) ضرور دے جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت ۲۴۱ میں تمام مطلقہ عورتوں کے بارے میں تاکیدی حکم دیا گیا ہے (متاعِ طلاق کی تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۳۷۶) یہ متعہ مہر کے علاوہ ہے۔ اگر مہر مقرر ہوا تھا اور زن وشوئی کا تعلق پیدا کرنے سے پہلے طلاق دیدی تو جیسا سورۂ بقرہ آیت ۲۳۷ میں گزر چکا نصف مہر دینا ہوگا اور مہر مقرر نہیں ہوا تھا تو متاع دیتے وقت اس کا لحاظ کرنا ہوگا۔

واضح رہے کہ مہر کا تعلق نکاح سے ہے جب کہ متاع یا متعہ کا تعلق طلاق سے ہے اس لئے ہر مطلقہ کو رخصتی ہدیہ (متاع) دینا ضروری ہے جو معروف کے مطابق ہو یعنی جو نہ مرد کی حیثیت سے زیادہ ہو اور نہ اتنا کم کہ اس کی کوئی وقعت نہ ہو۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

'' تیسرا قول زیادہ صحیح ہے اور وہ ہے امام احمد سے منقول دوسرا قول کہ ہر مطلقہ کیلئے متعہ ہے جیسا کہ آیت وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوف کا ظاہر وعموم دلالت کرتا ہے اور اس لئے بھی کہ ارشاد خداوندی ہے اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ۔۔۔۔ سراحًا جَمِيلًا۔

اس آیت میں ان عورتوں کو جن کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی گئی ہو متعہ دینے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم ان مطلقہ عورتوں کے لئے مخصوص نہیں ہے جن کا مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا، جب کہ اکثر عورتوں کو جو طلاق دی جاتی ہے تو مہر مقرر کرنے کے بعد ہی دی جاتی ہے۔'' (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۳۲ ص ۲۷)

طلاق کی صورت میں عورت کو خوبصورتی کے ساتھ رخصت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسلام کی یہ اعلیٰ اخلاقی تعلیم ہے کہ جب جدائی کی نوبت آجائے تو بداخلاقی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ شرافت اور بھلائی کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے تاکہ تلخی کے اثرات کم سے کم ہوں مگر عام طور سے مسلمانوں نے اس تعلیم کو بھلا دیا ہے اس لئے جب رشتے ٹوٹتے ہیں تو تلخیوں میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

۱۰۶ ۔ اس آیت میں نبی ﷺ کیلئے تعداد ازواج کا مخصوص قاعدہ بیان ہوا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ اہم دینی مصالح کے پیش نظر آپ کے لئے خاص رعایت کردی گئی تھی اور چونکہ یہ رعایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی اس لئے کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے جو نکاح بھی کئے اس دائرہ میں رہ کر ہی کئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مقرر کیا تھا۔

۱۰۷ ۔ جن عورتوں کے نبی ﷺ نے مہر ادا کئے تھے وہ چھ تھیں۔ حضرت سودہ، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب بنت الحارث اور حضرت اُم حبیبہ (حضرت خدیجہ اور حضرت زینب بنت خزیمہ کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا) ازواج مطہرات کا مہر جیسا کہ حدیث میں آتا ہے پانچ سو درہم (۱۴۸۷ گرام چاندی) ہوا کرتا تھا (مسلم کتاب النکاح) البتہ ام حبیبہ کا مہر چار سو دینار (۱۷۰۰ گرام سونا) تھا جو نبی ﷺ کی طرف سے حبش کے حکمراں نجاشی نے ادا کردیا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۹۹)

یہ مثال ہے فراخ دلی کے ساتھ مہر ادا کرنے کی مگر مسلمانوں کے ایک طبقہ نے مہر کو محض رسمی بنالیا ہے۔ یا تو وہ پچیس پچاس روپئے مہر باندھتے ہیں جس میں پانچ گرام چاندی بھی نہیں آتی جب کہ وہ شادی پر ہزاروں روپیہ خرچ کرتے ہیں، یا پھر دکھاوے کیلئے اتنا بڑا مہر باندھتے ہیں کہ اس کہ ادائیگی کی توبت ہی نہیں آتی۔ یہ دونوں ہی باتیں اصلاح طلب ہیں۔

۱۰۸ ۔ مراد وہ عورتیں ہیں جو جنگ میں گرفتار ہوکر بطور غنیمت آپ کے حصہ میں آئی ہوں۔ ایسی عورتوں سے نکاح کرنے کی آپ کو اجازت تھی۔ اس اجازت کے تحت آپ نے حضرت جویریہ اور حضرت صفیہ سے نکاح کرلیا تھا۔ حضرت جویریہ غزوۂ بنی المصطلق (شعبان ۶ھ) میں گرفتار ہوکر آگئی تھیں۔ وہ اس قبیلہ کے سردار کی بیٹی تھیں اور اسلام قبول کرلیا تھا اس لئے آپ نے ان کے مرتبہ کا خیال رکھتے ہوئے ان کو آزاد کرکے اپنے نکاح

میں لے لیا تھا۔ اسی طرح حضرت صفیہ غزوۂ خیبر (۷ھ) میں گرفتار ہو کر آ گئی تھیں اور یہود کے مشہور سردار کی بیٹی تھیں جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو آپ نے ان کی آزادی کو مہر قرار دے کر ان سے نکاح کر لیا۔ اس طرح ان دونوں مملوک عورتوں کو ازواج مطہرات میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔

۱۰۹؎ ''تمہارے ساتھ ہجرت کی'' کا مطلب یہ نہیں کہ وہ سفر ہجرت میں تمہارے ساتھ رہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اسلام کی خاطر تم نے اپنے وطن اور گھر بار کو چھوڑا اسی طرح انہوں نے بھی یہ قربانی دی اور اس فریضہ کی ادائیگی میں تمہاری شریک رہیں، ایسی چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد، اور خالہ زاد بہنوں سے نکاح کرنے کی آپ کو اجازت دے دی گئی اس رخصت سے آپ نے اسی حد تک فائدہ اٹھایا جس حد تک دینی مصالح متقاضی ہوئے۔ حضرت زینب اور حضرت ام حبیبہ سے آپ کے نکاح کا ذکر اوپر گزر چکا۔ حضرت زینب آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور حضرت ام حبیبہ ابوسفیان کی بیٹی تھیں جو بنی امیہ سے تھے، یعنی ابوسفیان پردادا کے واسطے سے آپ کے چچا ہوتے تھے۔

۱۱۰؎ یعنی کوئی مؤمن عورت نبی (ﷺ) سے بلا مہر نکاح کی پیشکش کرے اور آپ اس پیشکش کو قبول کرتے ہوئے اس سے نکاح کر لیں۔ حضرت میمونہ سے آپ کا نکاح جو ۷ھ میں ہوا تھا اسی قاعدے کی تحت تھا۔

۱۱۱؎ یعنی بلا مہر نکاح کی پیشکش (ھبۂ نفس) کو قبول کرنا نبی (ﷺ) کیلئے خاص ہے۔ عام مسلمانوں کو اس کی اجازت نہیں ہے۔

۱۱۲؎ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ سورۂ نساء میں مسلمانوں کو چار تک بیویاں کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور مملوک عورتوں کے سلسلہ میں بھی اس میں احکام بیان ہوئے ہیں۔

۱۱۳؎ یعنی آپ کیلئے نکاح کا دائرہ اس لئے وسیع کر دیا گیا تا کہ اہم دینی مصالح کے پیش نظر اس دائرہ میں رہتے ہوئے نکاح کرنے میں آپ کوئی رکاوٹ محسوس نہ کریں اور مخالفین کے اعتراضات کی کوئی پرواہ نہ کریں۔

واضح رہے کہ نبی ﷺ نے بیشتر نکاح بیواؤں اور بڑی عمر والی عورتوں سے کئے تھے جس سے ان عورتوں کی دلجوئی بھی مقصود تھی اور متعلقہ قبائل اور خاندانوں پر اسلام کے اثرات ڈالنا بھی نیز ان کی تربیت کر کے انہیں امت کی تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنانا بھی۔

۱۱۴؎ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر ان عظیم عائلی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں نادانستہ کوئی تقصیر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ
مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ
وَلَا یَحْزَنَّ وَیَرْضَیْنَ بِمَاۤ اٰتَیْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا
فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا ﴿۵۱﴾

۵۱ ان میں سے تم جن کو چاہو دور رکھو اور جن کو چاہو اپنے پاس رکھو اور جن کو تم نے الگ رکھا ان میں سے کسی کو تم طلب کرو تو اس میں بھی تمہارے لئے کوئی مضائقہ نہیں۔ اس سے اس بات کی زیادہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں اور جو کچھ بھی تم ان کو دو اس پر وہ سب راضی رہیں گی ۱۱۵۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے ۱۱۶۔ اور اللہ علم رکھنے والا بردبار ہے۔

لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ
مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ
یَمِیْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا ﴿۵۲﴾ ع

۵۲ اس کے بعد تمہارے لئے دوسری عورتیں جائز نہیں ہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کی جگہ دوسری بیویاں کرلو خواہ ان کا حسن تمہیں کتنا ہی پسند ہو ۱۱۷۔ سوائے ان کے جو تمہاری ملکیت میں ہوں ۱۱۸۔ (یعنی کنیز ہوں) اور اللہ ہر چیز پر نگراں ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ
اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا
دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ
لِحَدِیْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ ۫
وَاللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا
فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ
وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ
مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا ﴿۵۳﴾

۵۳ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو مگر اس وقت جب تمہیں اجازت دی جائے۔ (اجازت ملنے پر) کھانے کی تیاری کے انتظار میں (بیٹھے) نہ رہو ۱۱۹۔ ۔۔۔۔ البتہ جب تم کو (کھانے کیلئے) بلایا جائے تو داخل ہو اور جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہوجاؤ ۱۲۰۔ ۔۔۔۔ اور باتیں کرنے میں نہ لگ جاؤ ۱۲۱۔ یہ باتیں نبی کیلئے تکلیف دہ ہیں۔ مگر وہ تم سے کچھ کہتے ہوئے لحاظ کرتے ہیں۔ اور اللہ حق بات کہنے میں لحاظ نہیں کرتا ۱۲۲۔ اور جب تمہیں نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگنا ہو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو۔ یہ طریقہ تمہارے دلوں کیلئے بھی زیادہ پاکیزہ ہے اور ان کے دلوں کیلئے بھی ۱۲۳۔ اور تمہارے لئے ہرگز روا نہیں کہ اللہ کے رسول کو اذیت دو اور نہ یہ جائز ہے کہ اس کے بعد کبھی بھی تم ان کی بیویوں سے نکاح کرو ۱۲۴۔ اللہ کے نزدیک یہ بڑی سنگین بات ہے۔

اِنْ تُبْدُوْا شَیْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۵۴﴾

۵۴ تم کوئی بات ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ اللہ کو ہر بات کا علم ہے۔

۱۱۵۔ یعنی اس بات کا آپ کو اختیار ہے کہ ان میں سے جن کو چاہیں دور رکھیں اور جن کو چاہیں ساتھ رکھیں اور اس بات میں بھی آپ پر کوئی حرج نہیں کہ جن کو آپ نے الگ رکھا ہوا ن میں سے کسی کو اپنے پاس بلا لیں۔ مطلب یہ ہے کہ نبی کا حق ان کے حقوق پر مقدم ہے اور نبی نے متعدد نکاح محض دین کے مصالح کے پیشِ نظر کئے ہیں، اس لئے آپ کی ازواج کو جس حد تک بھی نبی کی صحبت میں رہنے کا موقع ملے اپنے لئے باعثِ سعادت خیال کرتے ہوئے اس پر قناعت کرنا چاہیئے۔ اس صورت میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بھی سہولت ہوگی اور آپ کی ازواج بھی مطمئن اور خوش رہیں گی اس طرح نبی کے گھر کی فضا خوشگوار رہے گی۔

اگرچہ یہ اختیار جس کا ذکر اوپر ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیدیا تھا، لیکن اس کے باوجود آپ اپنی تمام بیویوں کے درمیان باری باری رہتے تھے اور ان کے ساتھ عدل کرتے تھے۔ جن روایتوں میں یہ آیا ہے کہ آپ نے اپنی کچھ بیویوں کو الگ کر رکھا تھا وہ صحیح نہیں۔ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں۔

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ اپنی بیویوں کے درمیان (رہنے کیلئے) باری مقرر کیا کرتے تھے اور اس میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں ہے کہ، کسی کو آپ نے باری سے مستثنیٰ کر دیا ہو۔۔۔۔۔۔۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عدل کے ساتھ باری مقرر فرمایا کرتے تھے اور فرماتے اے اللہ یہ تقسیم جس حد تک میرے بس میں ہے میں نے کی ہے، تو جو تیرے اختیار میں ہے اور میرے بس میں نہیں ہے اس پر گرفت نہ فرما۔'' (تفسیر جصاص ج ۳ ص ۴۵۳)

البتہ حضرت سودہ نے چونکہ ان کی عمر کافی ہوگئی تھی اپنی باری حضرت عائشہ کو دیدی تھی۔

اس ہدایت ہی کا اثر تھا کہ ازواجِ مطہرات میں نہ کوئی رقابت پیدا ہوئی اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی طرف سے کسی اذیت کا سامنا کرنا پڑا اور امہات المؤمنین کی حیثیت سے ان کا کردار بلند اور مثالی رہا۔

۱۱۶۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اللہ نے اپنے نبی کو ان کی ازواج کے تعلق سے جو رعایت دی ہے اس پر کسی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے لیکن اگر تم نے شبہات کو بھی اپنے دل میں جگہ دی تو یاد رکھو اللہ تمہارے دلوں کا حال بخوبی جانتا ہے۔

۱۱۷۔ یعنی نبی اس مخصوص دائرہ میں رہ کر ہی نکاح کر سکتے ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا۔ اس دائرہ کے باہر نکاح کرنے کی نبی کو اجازت نہیں ہے گویا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جہاں مخصوص رعایتیں دی گئیں وہاں نکاح کے سلسلہ میں کچھ ایسی پابندیاں بھی آپ پر عائد کی گئیں جو عام مسلمانوں پر نہیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ اگر کسی مسلمان کی چار بیویاں ہیں وہ ان میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری بیوی لا سکتا ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے یہ پابندی عائد کر دی تھی کہ آپ اپنی موجودہ بیویوں میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری بیوی نہیں لا سکتے۔ یعنی شریعت کی پابندی آپ کیلئے بھی تھی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل ہوتا تھا اس کی آپ اتباع کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کی اپنی ذاتی اور عائلی زندگی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھی۔

علامہ ابن کثیر نے صراحت کی ہے کہ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی نو ازواج موجود تھیں (البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۲۹۱)

آیت کے فقرہ ''اگرچہ ان کا حسن تمہیں کتنا ہی پسند آئے'' سے ضمناً یہ بات بھی واضح ہوئی کہ مردوں کیلئے نکاح کے سلسلے میں عورتوں کا حسن وجہ کشش ہے مگر اہلِ ایمان کیلئے شرعی حدود کا لحاظ از بس ضروری ہے۔

۱۱۸۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے نکاح تو ان ہی عورتوں سے جائز قرار دیا گیا جن کا ذکر اوپر کی آیت میں ہوا۔ البتہ اپنی مملوکہ عورتوں یعنی کنیز عورتوں سے

زن وشوئی کا تعلق رکھنے کی اجازت دے دی گئی جو عام مسلمانوں کیلئے بھی تھی۔اس اجازت کے تحت ماریہ قبطیہ کو آپ نے قبول کرلیا تھا جس کو ہدیہ کے طور پر مصر کے نصرانی حکمراں مقوقس نے آپ کی خدمت میں بھیجا تھا اور یہ وضاحت بھی کردی تھی کہ ان کو نہایت شریف خیال کیا جاتا ہے۔ان ہی سے آپ کا بیٹا پیدا ہوا جس کا نام آپ نے ابراہیم رکھا تھا اور جس کا انتقال ۰۹ھ میں ہوا۔

۱۱۹۔ نبی ﷺ اور آپ کے گھروں کے احترام کے تعلق سے اہلِ ایمان کو چند ہدایتیں دی گئی ہیں۔ایک یہ کہ آپ کے گھروں میں بلا اجازت داخل نہ ہوں۔دوسری یہ کہ اجازت ملنے کی صورت میں جائیں تو ضرورت کی حد تک ہی رکے رہیں کھانے کے انتظار میں بیٹھے نہ رہیں، کہ کھانے کا وقت ہو جائے اور کھانا تمہارے سامنے آجائے۔ظاہر ہے یہ بات اخلاق سے فروتر ہے اور ایک نبی کے گھر میں بُرے اخلاق کا مظاہرہ تو بہت بُری حرکت ہے۔

۱۲۰۔ یہ تیسری ہدایت ہے کہ اگر تمہیں نبی کے گھر میں کھانے کیلئے مدعو کیا جائے تو ضرور جاؤ لیکن جب کھانا کھا چکو تو وہاں سے رخصت ہو جاؤ۔ آیت کے پہلے فقرہ میں نبی (ﷺ) کے گھروں میں اجازت لے کر داخل ہونے کی ہدایت کی گئی تھی خواہ کسی ضرورت سے جانا پڑے، اور اس فقرہ میں کھانے پر مدعو ہونے کی صورت میں ضروری احتیاط ملحوظ رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

۱۲۱۔ یعنی نبی کے گھر میں داخل ہو جانے کے بعد تمہیں باتوں میں نہیں لگ جانا چاہئے خواہ تم اجازت لیکر کسی کام کیلئے داخل ہوئے ہو یا کھانے پر مدعو ہو۔ بہرصورت نبی کا گھر عام مسلمانوں کے گھروں کی طرح نہیں ہے اس لئے آداب کو یہاں شدت کے ساتھ ملحوظ رکھنا چاہئے۔

۱۲۲۔ یعنی نبی مروۃً تم سے کچھ نہیں کہتے اور اپنے گھر میں تمہارے ضرورت سے زیادہ بیٹھے رہنے کو، یا تم میں سے کسی کے کھانے کا وقت تاکتے رہنے کو، اپنے کریمانہ اخلاق کی وجہ سے برداشت کر لیتے ہیں مگر اللہ کیلئے مروت کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔وہ اپنے نبی کے معاملے میں آداب کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت فرماتا ہے تاکہ اس پہلو سے بھی تمہاری صحیح تربیت ہو جائے۔

۱۲۳۔ یہ نبی (ﷺ) کے گھر میں داخل ہونے کے تعلق سے چوتھی ہدایت ہے، کہ تمہارے اور ازواجِ نبی کے درمیان پردہ ہونا چاہئے۔اگر کوئی چیز مانگنے کی ضرورت پیش آئے تو پردہ کے پیچھے سے مانگو۔کسی آڑ کے بغیر ان کے سامنے جا کھڑے نہ ہو۔۔۔اور اس کی حکمت بھی واضح فرمادی کہ اس طرح تم بھی اپنے دلوں کو زیادہ پاک صاف رکھ سکو گے اور وہ بھی۔۔۔بدگمانی کی کوئی بات پیدا نہ ہو سکے گی۔پردہ کے سلسلہ میں یہ پہلی آیت تھی اور پردہ کے حکم کا آغاز نبی ﷺ کے گھر سے کیا گیا۔یہ پردہ اگرچہ عام مسلمانوں کے گھروں میں بھی مطلوب اور پسندیدہ ہے لیکن ان پر یہ لازم (واجب) نہیں کیا گیا ہے چنانچہ سورۂ نور میں جو سورۂ احزاب کے بعد نازل ہوئی عورتوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان مردوں کے سامنے جو اجازت لے کر گھر میں داخل ہوں اپنی زینت کا اظہار نہ کریں یعنی بن سنور کر ان کے سامنے نہ آئیں دیکھئے سورۂ نور آیت ۳۱ نوٹ ۴۳۔اگر گھر میں پردہ ڈال دینے کا حکم عام مسلمانوں کیلئے ہوتا تو پھر گھر میں بہ اجازت داخل ہونے والوں کے سامنے زینت کے ساتھ آنے کا سوال عورتوں کیلئے پیدا ہی نہیں ہوتا۔معلوم ہوا کہ عام مسلمان عورتوں کو گھر کے پردہ کے معاملے میں اتنا سخت حکم نہیں دیا گیا جتنا سخت حکم کہ ازواجِ مطہرات کو دیا گیا اور یہ اس بنا پر کہ ازواجِ مطہرات کا مقام امہات المؤمنین ہونے کی حیثیت سے عام مسلمان عورتوں سے بہت بلند ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ یہ آیت حضرت زینب کے ولیمہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی:

''حضرت انس فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے زینب بنت جحش سے نکاح کیا تو لوگوں کو ولیمہ کیلئے بلایا جب لوگ کھانا کھا چکے تو بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔آپ کھڑے ہونا چاہتے تھے لیکن لوگ نہیں اٹھے۔بالآخر آپ کھڑے ہو گئے جب آپ کھڑے ہو گئے تو اور لوگ بھی اٹھ کھڑے

ہوئے لیکن تین آدمی بیٹھے رہے۔ جب نبی ﷺ نے دوبارہ اندر آنا چاہا تو دیکھا لوگ بیٹھے ہوئے ہی ہیں (اس لئے واپس تشریف لے گئے) پھر جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو میں نے نبی ﷺ سے جا کر کہا وہ چلے گئے ہیں۔ آپ تشریف لائے اور اندر داخل ہوئے تو میں بھی داخل ہونے لگا لیکن آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ (حجاب) ڈال دیا اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُیُوْتَ النَّبِیِّ۔" (بخاری کتاب التفسیر)

۱۲۴؎ یعنی آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کی ازواج سے نکاح کرنا حرام ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝۵۵

۵۵ ان پر کوئی گناہ نہیں ان کے باپوں کے (داخل ہونے کے) بارے میں اور نہ ان کے بیٹوں، ان کے بھائیوں، ان کے بھتیجوں، ان کے بھانجوں، ان کی اپنی عورتوں اور ان کے مملوک کے بارے میں ۱۲۵؎۔ اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ ۱۲۶؎

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰۗىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۵۶

۵۶ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم بھی ان پر رحمت (درود) وسلام بھیجو ۱۲۷؎۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۵۷

۵۷ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر اللہ نے دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے ۱۲۸؎۔ اور ان کیلئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۵۸

۵۸ اور جو لوگ مؤمن مردوں اور عورتوں کو ان باتوں پر اذیت دیتے ہیں جن کا ارتکاب انہوں نے نہیں کیا، وہ اپنے سر ایک بہتان اور صریح گناہ کا بار لیتے ہیں ۱۲۹؎۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَاۗءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۹

۵۹ اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادریں ڈال لیا کریں۔ یہ اس لحاظ سے زیادہ مناسب ہے کہ ان کی شناخت ہو جائے اور ستائی نہ جائیں ۱۳۰؎۔ اور اللہ معاف کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ ۱۳۱؎

لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۶۰

۶۰ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے ۱۳۲؎ اور جو مدینہ میں جھوٹی افواہیں پھیلاتے ہیں، اگر باز نہ آئے تو ہم تمہیں ان کے خلاف اٹھا کھڑا کریں گے۔ پھر وہ اس (شہر) میں تمہارے ساتھ کم ہی رہ سکیں گے۔ ۱۳۳؎

مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝۶۱

۶۱ ان پر لعنت ہوگی ۱۳۴؎۔ اور جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور بری طرح قتل کئے جائیں گے۔ ۱۳۵؎

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝۶۲

۶۲ یہ اللہ کی سنت (قاعدہ) رہی ہے ان لوگوں کے معاملہ میں جو پہلے گزر چکے۔ اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے ۱۳۶؎۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ۝۶۳

۶۳ لوگ تم سے قیامت کی گھڑی کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور تمہیں کیا خبر شاید وہ گھڑی قریب آ لگی ہو۔ ۱۳۷؎

۱۲۵ ؎ یعنی گھر کے پردہ کی اس قید سے جو اوپر کی آیت میں بیان ہوئی یہ لوگ مستثنیٰ ہیں ۔ ان میں محرم کے علاوہ مسلمان عورتیں اور مملوک یعنی لونڈی غلام جن کے وہ مالک ہوں شامل ہیں ۔

۱۲۶ ؎ یعنی اللہ حاضر و ناظر ہے ۔

۱۲۷ ؎ عربی میں جب صلّی کے ساتھ علیٰ کا صلہ (Preposition) آتا ہے تو اس کے معنی رحمت بھیجنے اور دعائے رحمت کرنے کے ہوتے ہیں اس لئے آیت کے معنی ہوئے اللہ نبی پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے نبی کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں ۔ اے ایمان والو! تم بھی نبی کیلئے دعائے رحمت کرو اور خوب سلام بھیجو ۔ پھر صلوٰۃ کے معنی عام رحمت کے نہیں بلکہ خاص رحمت کے ہیں یعنی ایسی رحمت جو عنایت اور اعزاز و اکرام کے ساتھ ہو ۔ اردو میں اس کیلئے خاص لفظ درود ہے اور سلام بھیجنے کے معنی میں ہر قسم کی آفات سے سلامت رہنے کی دعا کرنا ۔

درود و سلام کا یہ تحفہ بارگاہ رسالت میں پیش کرنے کا یہ حکم ہر مسلمان کو دیا گیا ہے اور جیسا کہ حدیث میں آتا ہے اس کا کثرت سے اہتمام کرنا بھی مطلوب ہے کیونکہ درود و سلام کے ذریعہ آپ سے محبت اور عقیدت کا تعلق استوار ہوتا ہے ۔

نماز میں تشہد میں سلام و درود کے جو کلمات ادا کئے جاتے ہیں وہ قرآن کے اسی حکم کی تعمیل ہے ، اس میں نبی ﷺ پر سلام بھیجنے کا جو طریقہ سکھایا گیا ہے وہ یہ ہے ۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ ۔ (بخاری ابواب صفۃ الصلوٰۃ)

''سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں ۔''

واضح رہے کہ ایھا النبی (اے نبی!) کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نبی ﷺ حاضر و ناظر ہیں کیونکہ ہر جگہ حاضر و ناظر صرف اللہ کی ذات ہے بلکہ یہ خطاب وقت کے نبی ہونے کی حیثیت سے ہے یعنی یہ تصور دلانے کیلئے کہ گویا آپ ہمارے درمیان رہنمائی کے لئے موجود ہیں اور ہم بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر سلام عرض کر رہے ہیں ۔ یہ بلاغت کا ایک اسلوب ہے جس کی مثال وہ دعا ہے جو زیارتِ قبور کے موقع پر کی جاتی ہے ۔ اس دعا میں بھی مُردوں سے خطاب کر کے انہیں سلام کیا جاتا ہے اور یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مُردے حاضر و ناظر ہیں بلکہ مقصود یہ تصور دلانا ہوتا ہے کہ زیارت کرنے والا گویا مُردوں کی مجلس میں پہنچ گیا ہے اور انہیں سلام کر رہا ہے ۔ جو لوگ بلاغت کے اس اسلوب کو نہیں سمجھتے وہ اس کو غلط معنی پہنا کر شرک و بدعت کیلئے راہیں ہموار کرتے ہیں ۔ مگر اس کی تردید کیلئے حضرت عبداللہ بن مسعود کی یہ صراحت کافی ہے کہ ایھا النبی (اے نبی) کے الفاظ ہم اس وقت کہا کرتے تھے جب آپ ہمارے درمیان موجود تھے لیکن جب آپ وفات پا گئے تو ہم اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ (سلام ہو نبی پر) کہنے لگے (بخاری کتاب الاستئذان) یعنی مخاطب کے صیغہ (ایھا) کے بجائے غائب کے صیغہ میں سلام بھیجنے لگے ۔ پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ نماز میں سلام بیٹھ کر بھیجا جاتا ہے لہٰذا آپ پر کسی وقت بھی سلام بھیجنے کیلئے کھڑے ہونے کی قید نہیں ہے مگر بدعتیوں نے میلاد النبی کی مجلس منعقد کرنے کا جو طریقہ رائج کیا ہے اس میں آپ پر سلام بھیجتے وقت کھڑا ہونا ضروری قرار دیا ہے اگر کوئی کھڑا نہ ہو تو اسے مطعون کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے عقیدہ ہی کو غلط سمجھا جاتا ہے ۔ ایسی ہی بدعتوں نے امت کے درمیان تفرقہ ڈال دیا ہے ۔

رہا درود تو اس کا طریقہ بھی حدیث میں بیان ہوا ہے ۔ کعب بن عُجرہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہے لیکن ہم آپ پر درود کس طرح بھیجیں؟ فرمایا کہو:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(اے اللہ محمد پر اور آلِ محمد پر رحمت بھیج جس طرح تو نے آلِ ابراہیم پر رحمت بھیجی۔ بلاشبہ تو لائق حمد اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ برکت نازل فرما محمد پر اور آلِ محمد پر جس طرح تو نے آلِ ابراہیم پر برکت نازل فرمائی۔ بلاشبہ تو لائق حمد اور بزرگی والا ہے) (بخاری کتاب الدعوات)

دوسری روایت میں دونوں جگہ علیٰ ابراہیم کے الفاظ کا اضافہ ہے۔ درود میں تبعاً آل محمد کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ آل کا لفظ عربی میں نسل اور خاندان کے معنی میں بھی آتا ہے اور پیروؤں کے معنی میں بھی آتا ہے چنانچہ لسان العرب میں ہے آل یعنی اَتباع (اتباع کرنے والے (لسان العرب ج ۱۱ ص ۳۸) اور قرآن میں آلِ فرعون اس گروہ کو کہا گیا ہے جو فرعون کا پیرو تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے پیروؤں میں غالب تعداد ان لوگوں کی تھی جو آپ کی نسل سے تھے اس لئے ان کو آلِ ابراہیم کہا گیا مگر محمد ﷺ کے پیرو ایک آفاقی امت ہیں اس لئے معنوی حیثیت سے وہ آلِ محمد قرار پائے۔ اس مفہوم کی تائید آیت ۴۳ سے بھی ہوتی ہے جس میں اہلِ ایمان پر اللہ اور اس کے فرشتوں کے صلاۃ یعنی رحمت بھیجنے کا ذکر ہوا ہے۔

درود کی فضیلت صحیح حدیث میں اس طرح بیان ہوئی ہے۔

مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ)

''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجے گا۔''

مگر ضعیف اور موضوع حدیثوں میں بڑے مبالغہ کے ساتھ اس کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ بخاری کے شارح حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

''اس باب (یعنی درود کی فضیلت) میں بہ کثرت ضعیف اور بے بنیاد حدیثیں ہیں اور جن روایتوں کو قصہ گوؤں نے گڑھا ہے وہ تو بے شمار ہیں لیکن قوی حدیثیں ان سب سے بے نیاز کر دینے کے لئے کافی ہیں۔'' (فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۴۱)

مثال کے طور پر غیر معتبر روایت میں جمعہ کے دن اسّی دفعہ درود بھیجنے کی فضیلت یہ بیان ہوئی ہے کہ اسّی سال کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ للالبانی ج ۱ ص ۲۵۱) ایسی روایتوں کو غیر محقق علماء بڑی بے احتیاطی سے نقل کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ ان فضائل کا تو خوب اہتمام کرنے لگے لیکن کتنی ہی دینی ذمہ داریوں کی طرف سے غافل ہو گئے۔ رسمی طور پر تو وہ دیندار بن گئے لیکن دین کی کامل اور مخلصانہ پیروی کا احساس ان میں ابھر نہ سکا۔

یہ بھی واضح رہے کہ درود ایک دعا ہے اور اس کا دین میں ایک اہم مقام (فضیلت) ہے لیکن ورد کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ ہی کے نام کا کریں اور تسبیح و تحمید بھی اسی کی کریں۔ ایک لاکھ درود شریف کے ختم کے لئے جو مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں اس کا رواج صحابہ کرام کے زمانہ میں نہ تھا اور نہ یہ طریقہ قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ درودِ تاج اور اس قسم کے دوسرے درود نیز ان کی لمبی چوڑی فضیلتیں سب بعد والوں کے اضافے ہیں۔ راست رو مسلمانوں کیلئے تو وہ درود ہی کافی ہے جس کی تعلیم نبی ﷺ نے دی ہے۔

آپ کی ذات غیر معمولی احترام کی مستحق ہے اس لئے آپ کے نام کے ساتھ ﷺ کا اہتمام ضروری ہے۔ صحابہ کرام آپ سے حدیثیں روایت کرتے ہوئے قال رسول اللہ ﷺ (فرمایا رسول اللہ نے درود اور سلام ہو آپ پر) کہا کرتے تھے اور محدثین نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔ اختصار کے ساتھ (صلعم) یا (ص) لکھنا صحیح نہیں کیونکہ یہ بخیلی ہے۔ لکھنے والا اس کا تلفظ ﷺ نہیں کرتا اور نہ پڑھنے والا کرتا ہے۔ درود وسلام کی جتنی تکرار لکھنے اور پڑھنے میں ہوگی اتنا ہی اجر میں اضافہ ہوگا پھر بخل سے کام لینے کی کیا ضرورت ہے؟

۱۲۸۔ اوپر کی آیت میں اہل ایمان کو نبی ﷺ پر رحمت بھیجنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس آیت میں ان لوگوں کو رسوا کن انجام سے خبردار کیا جا رہا ہے جو

نبی کی اذیت کے درپے ہوتے ہیں۔ واضح ہوا کہ جولوگ نبی پر رحمت بھیجتے ہیں وہ خود بھی رحمت کے مستحق بن جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف جولوگ نبی کو اذیت دیتے ہیں وہ لعنت کے مستحق بنتے ہیں اور یہ اشارہ ہے خاص طور سے ان منافقین کی طرف جو نبی ﷺ کے تعددِ نکاح اور آپ کی عائلی زندگی (Family Life) کو اعتراض کا نشانہ بناتے تھے اور اللہ کے احکام کا بھی مذاق اڑاتے تھے۔

اللہ کو اذیت دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بارے میں ایسی باتیں کہی جائیں جو اس کے غضب کو دعوت دینے والی ہوں۔ مثلاً اس کیلئے اولاد تجویز کرنا، اس کا شریک ٹھہرانا، عیب اور نقص کو اس کی طرف منسوب کرنا، اس کو مخلوق پر قیاس کرنا، اس کے مرتبہ سے فروتر باتیں اس کی طرف منسوب کرنا، اس کے رسولوں، اس کی کتابوں اور اس کے احکام کا مذاق اڑانا اور اس کی شان میں گستاخی کے کلمات کہنا وغیرہ۔

اور رسول کو اذیت دینے کا مطلب یہ ہے کہ رسول کی شان میں گستاخی کرنا، آپ کی توہین کرنا آپ کی سنت کا مذاق اڑانا، آپ کی خانگی زندگی پر اعتراضات کرنا اور آپ کے فیصلوں کا احترام نہ کرنا، آپ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنا اور آپ کے فیصلوں کو ناانصافی پر محمول کرنا اور آپ سے لڑنا وغیرہ۔

اللہ اور اس کے رسول کی توہین کرنے والوں کیلئے نہ صرف آخرت میں لعنت ہے بلکہ دنیا میں بھی ان پر اللہ کی لعنت برستی ہے وہ اللہ کی رحمت سے اس طرح دور پھینک دیئے جاتے ہیں کہ ان کے حصے میں ذلت ورسوائی ہی آتی ہے۔ سچی عزت ان کو کبھی نصیب نہیں ہوتی۔

۱۲۹ ۔ اشارہ ہے منافقوں کی ان شرارتوں کی طرف جو وہ مؤمن مردوں اور عورتوں کو بدنام کرنے کیلئے کیا کرتے تھے، تاکہ نبی ﷺ کی تربیت سے جو بہترین گروہ وجود میں آ گیا تھا، اس کو لوگوں کی نظروں میں گرایا جائے اور اسلام کے پھیلنے میں رکاوٹیں پیدا ہوں۔ آیت میں اس بات پر سخت تنبیہ ہے کہ کسی بھی مؤمن مرد یا عورت کی دل آزاری کی جائے اور ناکردہ گناہ کا الزام ان پر لگایا جائے۔ بے قصور کو قصوروار ٹھہرانا اس پر بہتان لگانا ہے۔ اور یہ کوئی معمولی گناہ نہیں بلکہ کبیرہ گناہ ہے خاص طور سے ایسی باتیں کہنا جو عفت وعصمت کو داغدار بنانے والی ہوں۔

موجودہ مسلم سوسائٹی میں تو معلوم ہوتا ہے اس گناہ کا کوئی احساس پایا ہی نہیں جاتا دیندار مسلمانوں پر الزام تراشی کرنا عام لوگوں کا شیوہ بن گیا ہے۔ مسلمانوں کے مختلف گروہ ایک دوسرے کے خلاف جھوٹے الزامات لگاتے رہتے ہیں اور صحافت دل آزاری کا بھرپور سامان مہیا کرتی رہتی ہے۔ بہرحال جو شخص اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہتا ہے اسے بہت محتاط ہونا چاہیئے اور اپنے مسلمان بھائی کے خلاف ایسی بات نہیں کہنی چاہیئے جس کا ارتکاب اس نے کیا نہ ہو۔ حدیث میں آتا ہے: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہیں۔'' (ریاض الصالحین ص ۵۹۹ بروایت بخاری ومسلم)

۱۳۰ ۔ اس آیت میں عام مسلمان عورتوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلیں جیسا کہ بعد کے فقرہ سے واضح ہے تو اپنے اوپر جلباب (چادر) ڈال لیا کریں اور اس کی مصلحت بھی واضح فرمادی کہ اس سے ان کی شناخت ہو سکے گی یعنی اس سے ظاہر ہوگا کہ وہ شریف اور حیادار عورتیں ہیں لہٰذا شر پسند عناصر ان سے نہ غلط توقعات قائم کر سکیں گے اور نہ چھیڑ چھاڑ کر سکیں گے حیا کی یہ چادر ان کو نسبتاً زیادہ محفوظ رکھ سکے گی۔

جِلباب کے معنی ثوبٌ واسعٌ ''کشادہ کپڑے'' کے ہیں (لسان العرب ج ۱ ص ۲۷۲) اور یہ اس چادر کیلئے بولا جاتا ہے جو دوپٹہ سے بڑا ہوتا ہے اور جسے عورتیں اپنے جسم اور لباس ڈھانکنے کیلئے اوڑھ لیتی ہیں۔ مِنْ یہاں اسی طرح بیانیہ ہے جس طرح حدیث ام عطیہ میں بیانیہ آیا ہے:

''ام عطیہ کہتی ہیں (آپ نے جب عورتوں کو عید کی نماز میں شرکت کی ترغیب دی تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہیں ہوتی تو وہ کیا کرے؟ فرمایا لِتُلْبِسْهَا اُخْتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا اس کی بہن اپنی چادر اس کو اُڑھائے۔'' (فتح القدیر ج ۴ ص ۳۰۴ بروایت البخاری)

اس حدیث میں بھی مِن جِلبَابِھَا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن کے معنی اپنی چادر کے ایک حصہ یا پلو کو اڑھانے کے نہیں ہیں بلکہ اپنی چادر اڑھانے کے ہیں۔ اور یُدْنِینَ عَلَیْھِنَّ کے معنی اپنے اوپر ڈال لینے کے ہیں۔ قرآن میں دوسری جگہ ہے وَ دَانِیَۃً عَلَیْھِمْ ظِلٰلُھَا اس کے سائے ان کے اوپر ہوں گے۔ (الانسان: ۱۴)

مطلب یہ ہے کہ مسلمان عورتیں جب گھر سے نکلیں تو اپنے اوپر ایسا کپڑا ڈال کر نکلیں جو اوڑھنی سے بڑا ہو اور جو ان کے جسم اور ان کے لباس کو چھپائے۔ یہ کپڑا خواہ چادر کی شکل میں ہو یا برقع کی شکل میں مقصود جسم کے کھلے حصوں، زینت اور لباس کی تراش خراش کو چھپانا ہے تاکہ عورت اپنی جاذبیت کے ساتھ اجنبی مردوں کے سامنے سے نہ گزرے بلکہ اس اہتمام کے ساتھ گزرے جو حیا کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور جس سے اس کے شریف عورت ہونے کا اظہار ہو۔ پردے کے سلسلے میں یہ ایک اجمالی حکم ہے جو اس آیت میں دیا گیا ہے۔ اور اس میں یہ صراحت نہیں کی گئی ہے کہ عورت نہ اپنا چہرہ کھلا رکھ سکتی ہے اور نہ ہاتھ۔ کیونکہ قرآن جہاں فتنہ کے سدّ باب کی تدابیر تجویز کرتا ہے وہاں وہ حرج کو بھی رفع کرتا ہے تاکہ عورتوں کو غیر معمولی دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ چنانچہ سورۂ نور میں جو اس سورۂ کے بعد نازل ہوئی ہے عورتوں کو جہاں اپنی زینت چھپانے کا حکم دیا گیا ہے وہاں اِلَّا مَاظَھَرَ مِنْھَا 'بجز اس کے جو ظاہر ہو جائے'' کا استثناء بھی کیا گیا ہے (دیکھئے سورۂ نور آیت ۳۱ اور نوٹ ۴۲ ۔) اس لئے جلباب (چادر) کے حکم میں بھی یہ رعایت ملحوظ رہے گی خاص طور سے جب کہ یہ حکم اجمال کے ساتھ دیا گیا ہے۔ اگر مقصود چہرہ اور ہاتھوں کو لازماً چھپانا ہوتا تو آیت میں اس کی صراحت موجود ہوتی۔ اس صراحت کی عدم موجودگی میں چہرہ اور ہاتھوں کو چھپانے اور جلباب (چادر) کو اس طرح سر سے پاؤں تک لپیٹ لینے پر اصرار کہ لباس کا کوئی بھی حصہ قطعاً کھلنے نہ پائے۔ قرآن کے ایک مجمل حکم میں شدت پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ یہ شدت اگر ماضی میں پیدا کی گئی تھی تو وہ اس وقت کے حالات میں انگیز کر لی گئی ہوگی لیکن موجودہ حالات میں جبکہ عورتوں کو اپنی بہت سی ضرورتوں کو پورا کرنے اور اپنی متعدد ذمہ داریوں کو انجام دینے کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہے پردہ کے حکم میں اس شدت کے پیدا کرنے سے ان کیلئے بڑا حرج اور بڑی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ بھی نکل سکتا ہے کہ عورتیں پردہ کو ''نا قابل عمل'' سمجھ کر بالکل ترک کر بیٹھیں۔ اس لئے اعتدال کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

۱۳۱ ۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جلباب (پردہ) کے حکم کی تعمیل اگر نیک نیتی کے ساتھ صحیح طریقہ پر کی گئی تو اس سلسلہ میں نادانستہ جو کوتاہیاں سرزد ہوئی ہونگی اللہ تعالیٰ ان سے درگزر کرے گا اور رحم فرمائے گا۔

۱۳۲ ۔ مراد شہوت کا روگ ہے یعنی شہوت پرست۔

۱۳۳ ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت منافقین اور شر پسند عناصر مدینہ کی فضا کو مکدر کرنے، جنگ کی جھوٹی خبریں اڑا کر لوگوں میں خوف و ہراس پیدا کرنے اور مسلمان شریف عورتوں کو چھیڑنے اور ان کو بدنام کرنے کے لئے ان پر تہمت لگانے اور جھوٹی، افواہیں پھیلانے میں بہت بے باک ہو گئے تھے اس لئے ایک طرف مسلمان عورتوں کو ان کے فتنوں سے محفوظ رہنے کے لئے گھر کے باہر پردہ کا حکم دیا گیا اور دوسری طرف ان منافقین اور شر پسندوں کو متنبہ کیا گیا کہ اگر وہ باز نہیں آئے تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم دے گا کہ وہ ان کی پوری سرکوبی کرے اور اسلامی معاشرہ کو ان مفسدین سے پاک کر دیں۔

واضح رہے کہ جلباب (پردہ) کے حکم کی اس مصلحت کا جو اس وقت کے حالات کے پیشِ نظر بیان ہوئی ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ حکم ان حالات کے ساتھ مخصوص ہے۔ قرآن کے بہت سے احکام مخصوص حالات ہی میں نازل ہوئے ہیں لیکن وہ اپنی مستقبل حیثیت رکھتے ہیں اور کسی حکم کی ایک مصلحت کے ذکر سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حکم کی کل مصلحت وہی ہو بلکہ دوسری مصلحتیں بھی ہو سکتی ہیں جب کہ ایک مصلحت بیان کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہو۔

۱۳۴؎ یعنی وہ اللہ کی رحمت سے دور پھینک دیئے جائیں گے اور جن کو اللہ اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے وہ ذلیل ہو کر رہتے ہیں۔

۱۳۵؎ چنانچہ سورۂ توبہ (۹ھ) میں منافقین کے ساتھ سختی برتنے کا حکم دیا گیا ہے:

یَاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَ الْمُنَافِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْھِمْ۔ (توبہ :۷۳)

''اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔''

اور نبی ﷺ نے ان کی مسجد کو بھی جو انہوں نے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کیلئے بنائی تھی جلانے کا حکم دیا۔ یہ سب تفصیل سورۂ توبہ کی تفسیر میں گذر چکی۔

۱۳۶؎ یعنی اس سے پہلے جن امتوں میں رسول بھیجے گئے تھے ان میں جہاں کافروں کا خاتمہ کر دیا گیا وہاں منافقوں اور مفسدوں سے بھی معاشرہ کو پاک کر دیا گیا۔ اور مؤمنین صالحین پر مشتمل جس نئے معاشرے کی تشکیل ہوئی تھی اسی کو برقرار رکھا گیا اور خلافت کی ذمہ داریاں اسی کے سپرد کر دی گئیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ زمین سے فساد کو مٹا دینے کے بعد انسانی سوسائٹی کے نظام کو از سر نو صلاح پر قائم فرماتا رہا ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ اللہ کی یہ سنت اس کے رسول کے حق میں پوری نہ ہو۔ اور یہ واقعہ ہے کہ نبی ﷺ کی وفات سے پہلے مدینہ کا ماحول مفسد عناصر سے پاک ہو گیا تھا۔

۱۳۷؎ قیامت کب آئے گی؟ یہ سوال نہ صرف مکہ کے لوگ بار بار پیش کرتے رہے بلکہ مدینہ میں بھی یہ سوال دہرایا جاتا رہا۔ قرآن نے اگرچہ اس کا متعدد بار جواب دیا ہے لیکن لوگ نبی ﷺ کو برابر پریشان کرتے رہے اور مقصد ان کا یہ تھا کہ قیامت کے بارے میں شبہات پیدا کئے جائیں۔ مکہ میں اگر یہ کفار شبہات پیدا کر رہے تھے تو مدینہ میں منافقین بھی وہی کچھ کر رہے تھے۔

اگر اللہ کی حکمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ قیامت کا وقت کسی پر ظاہر نہ کر دیا جائے تو اس کا یہ مطلب کہاں ہوا کہ قیامت آئے گی ہی نہیں، موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں ہوتا تو کیا اس بنا پر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ موت آئے گی ہی نہیں، جب کہ اس کا آنا بالکل یقینی ہے۔ اسی طرح قیامت کا آنا بالکل یقینی ہے اگرچہ اس کا وقت ہمیں نہیں معلوم۔ البتہ قرآن یہ صراحت ضرور کرتا ہے کہ قیامت قریب ہی آ لگی ہے۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپ کے ذریعہ دین کی تکمیل ہوگئی اور اللہ کی حجت بھی دنیا والوں پر قائم ہوگئی۔ اس لئے اب دنیا اپنے آخری مرحلہ ہی سے گزر رہی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

بُعِثْتُ اَنَا وَ السَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ وَیَقْرِنُ بَیْنَ اُصْبُعَیْہِ السَّبَابَۃِ وَ الْوُسْطٰی۔ (مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ براویۃ مسلم)

''میں اور قیامت اس طرح ساتھ ساتھ بھیجے گئے ہیں۔ آپ نے اپنی دو انگلیوں یعنی شہادت کی انگلی اور درمیان کی انگلی کو ملا کر اشارہ فرمایا۔''

مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۲۸۶؎ تا ۲۸۹؎۔

إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ﴿٦٤﴾

۶۴ یقیناً اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ ۱۳۸

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَّا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٦٥﴾

۶۵ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ انہیں نہ کوئی دوست ملے گا اور نہ مددگار۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا ﴿٦٦﴾

۶۶ جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کر دیئے جائیں گے اس وقت وہ کہیں گے کاش ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ کی اور اطاعت کی ہوتی رسول کی۔ ۱۳۹

وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا ﴿٦٧﴾

۶۷ اور کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی اور انہوں نے ہمیں راہ سے گمراہ کر دیا۔ ۱۴۰

رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ﴿٦٨﴾

۶۸ اے ہمارے رب! ان کو دوہرا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت کر۔ ۱۴۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا ﴿٦٩﴾

۶۹ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو اذیت دی۔ مگر اللہ نے اس کو ان کی اذیت دہ باتوں سے بری کر دیا۔ اور وہ اللہ کے نزدیک باوقار تھا۔ ۱۴۲

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾

۷۰ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور درست بات کہو۔ ۱۴۳

يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾

۷۱ وہ تمہارے اعمال درست کریگا ۱۴۴۔ اور تمہارے گناہوں کو بخش دیگا۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگا ۱۴۵، اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٧٢﴾

۷۲ ہم نے (اپنی) امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے۔ مگر انسان نے اسے اُٹھا لیا۔ بلاشبہ وہ بڑا ظالم اور جاہل واقع ہوا ہے۔ ۱۴۶

لِّيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٣﴾

۷۳ تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے ۱۴۷۔ اور مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کی توبہ قبول فرمائے ۱۴۸۔ اللہ معاف کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

۱۳۸ ؎ یہ قیامت کیلئے جلدی مچانے والوں کیلئے انتباہ ہے کہ قیامت تو اپنے وقت پر آ کر رہے گی۔ رہے اس کا انکار کرنے والے تو ان کیلئے اللہ کی رحمت سے محرومی ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی انہیں بھڑکتی آگ (جہنم) سے واسطہ پڑے گا کیونکہ قیامت کے انکار کے بعد آدمی اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کر ہی نہیں سکتا جس کی بناء پر وہ آخرت میں اجر کا مستحق قرار پائے بلکہ وہ ایسے کرتوت کرتا ہے جس کی بنا پر آخرت میں سزا ہی کا مستحق قرار پاتا ہے۔

۱۳۹ ؎ قیامت کے منکر دنیا میں تو اللہ کی اطاعت سے بھی منہ موڑے ہوئے ہیں اور اس کے رسول کی اطاعت سے بھی، لیکن قیامت کے دن جب جہنم سے سابقہ پیش آئے گا تب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگا اور نادم ہو کر کہنے لگیں گے کہ کاش ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ کی اور اطاعت کی ہوتی اس کے رسول کی۔

۱۴۰ ؎ سادَتَنا (اپنے سردار) سے مراد لیڈر اور با اقتدار لوگ ہیں اور کُبراءَنا (اپنے بڑوں) سے مراد مذہبی پیشوا وغیرہ ہیں۔ منکرین کو جہنم میں پہنچ کر یہ احساس ہوگا کہ ہم نے دنیا میں اللہ کے بجائے سرکش لیڈروں کی بات مانی اور اس کے رسول کے بجائے گمراہ کرنے والے مذہبی پیشواؤں کی تقلید کی۔

۱۴۱ ؎ یعنی آج تو یہ منکرین اپنے قائدین پر تعریف کے ڈونگرے برسا رہے ہیں اور اپنے مذہبی پیشواؤں سے عقیدت کا اظہار کر رہے لیکن جہنم میں پہنچنے کے بعد یہ ان پر لعنت بھیجیں گے اور چاہیں گے کہ ان کے عذاب اور لعنت میں اضافہ ہو جائے۔

۱۴۲ ؎ یہ پھر تاکیدی حکم ہے کہ اپنے نبی کو اس طرح اذیت نہ دو جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ کو اذیت دی تھی۔ حضرت موسیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے بنی اسرائیل انہیں جو تلخ جوابات دیتے رہے اس کا ذکر قرآن میں متعدد مقامات پر ہوا ہے۔ مثلاً ان کا یہ جواب کہ ارض مقدس میں تم اور تمہارا خدا جاؤ اور لڑو ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے۔ اس قسم کی ایذا دہی کی طرف سورۂ صف کی آیت ۵ اشارہ کرتی ہے۔ لیکن یہاں جس اذیت کا ذکر ہوا ہے وہ ان کے اخلاق و کردار کو مجروح کرنے والی تھی، یعنی ان کے خلاف الزام تراشی اور تہمت۔ اور ایک نبی پر جب کوئی گھناؤنا الزام لگایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی زندگی ہی میں اس کو اس سے بَری کر دیتا ہے تاکہ نبی کی شخصیت لوگوں کی نظروں میں داغ دار نہ ہونے پائے۔ اس سلسلہ میں حضرت یوسف کی مثال بہت واضح ہے جنہیں تہمت سے اللہ تعالیٰ نے اس طرح بَری کر دیا کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ اس آیت میں بھی یہ ارشاد ہوا ہے کہ اللہ نے موسیٰ کو الزامات سے بَری کر دیا اور وہ اللہ کے نزدیک باوقار تھے۔ یہ دونوں ہی باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ الزامات اس نوعیت کے تھے جس سے حضرت موسیٰ کی عزت و ناموس پر حرف آتا تھا۔ قرآن نے اس کی تعیین نہیں کی کہ وہ کیا واقعہ تھا کیونکہ تذکیر کے پہلو سے ایسے واقعات بیان نہ کرنا ہی مفید ہوتا ہے اس لئے کوئی ضرورت نہیں کہ ہم اس کو کریدنے کی کوشش کریں۔

مفسرین عام طور سے اس آیت کی تفسیر میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا موسیٰ بڑے حیادار اور ستر پوش تھے اس لئے ان کے جسم کا کوئی حصہ ظاہر نہیں ہوتا تھا مگر بنی اسرائیل نے اس کو اس بات پر محمول کیا کہ ان کو کوئی پوشیدہ مرض یا عیب ہے (ایک نبی کے احترام کے پیش نظر اس عیب کا ذکر کرنا ہم مناسب نہیں سمجھتے جو روایت میں بیان ہوا ہے) اللہ نے ان کو اس عیب سے بری کرنا چاہا اس لئے ایسا ہوا کہ ایک دن جب موسیٰ تنہا تھے انہوں نے اپنے کپڑے اتار کر پتھر پر رکھے اور غسل کرنے لگے۔ جب غسل سے فارغ ہوئے تو کپڑے لینے کیلئے آگے بڑھے لیکن پتھر ان کے کپڑے لیکر بھاگنے لگا۔ موسیٰ اس پتھر کا پیچھا کرتے ہوئے بنی اسرائیل کے مجمع میں جا پہنچے۔ وہاں ان لوگوں نے انہیں عریاں حالت میں دیکھا اور انہیں معلوم ہو گیا کہ موسیٰ کی خلقت میں کوئی عیب نہیں ہے۔ اس طرح اللہ نے

ان کو اس بات سے بری کر دیا جو یہ لوگ ان کی طرف منسوب کرتے تھے۔ پھر پتھر ٹھہر گیا اور موسیٰ نے اپنے کپڑے لے کر پہن لئے اور اس پتھر پر اپنے عصا سے ضربیں لگائیں جس کے نشانات پتھر پر پڑ گئے۔ آیت لاتکونوا۔۔۔۔۔۔''ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو اذیت دی کا اشارہ اسی واقعہ کی طرف ہے۔(بخاری کتاب الاحادیث الانبیاء)

یہ حدیث بخاری نے بھی روایت کی ہے اور مسلم نے بھی۔ بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا بنی اسرائیل برہنہ نہایا کرتے تھے۔ اور ایک دوسرے کے ستر کو دیکھتے تھے لیکن موسیٰ تنہائی میں نہایا کرتے تھے۔ (بخاری کتاب الغسل)

مگر مذکورہ روایت اپنے اسناد اور مضمون دونوں اعتبار سے لائق حجت نہیں۔ عبدالوہاب نجاّر نے قصص الانبیاء میں جو عربی میں ایک محققانہ کتاب ہے اس روایت پر سخت گرفت کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

۱) یہ کیسا معجزہ ہے جو ایک نبی کو بے ستر کرتا ہے۔ اگر موسیٰ کے کوئی جسمانی عیب تھا تو وہ اللہ کے نزدیک ان کے باوقار ہونے میں کیونکر مانع ہو سکتا تھا!

۲) اگر موسیٰ پر جسمانی عیب کا الزام لگایا گیا تھا تو اس سے ان کے اللہ کے رسول ہونے کی نفی کس طرح ہوتی تھی جب کہ سورۂ صف میں حضرت موسیٰ کا یہ اشارہ نقل ہوا ہے''اے میری قوم کے لوگو مجھے کیوں اذیت دیتے ہو جب کہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔'' لہٰذا اذیت لازماً اس سے بڑی کسی بات کی رہی ہوگی۔ اور قرآن کریم میں ایذاء کا لفظ کسی بڑی بات ہی کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔

۳) مذکورہ حدیث کی اسناد میں ایک راوی عوف ہیں جن کے بارے میں تہذیب التہذیب (اسماء الرجال کی مشہور اور مستند کتاب) میں ہے کہ وہ شیعہ، رافضی اور شیطان تھا۔

۴) میں اسی حدیث کو قبول کرتا ہوں جو خالص ہو یعنی جس کے رجال (راویوں) میں کوئی عیب نہ ہو اور جس پر میرا نفس مطمئن ہوتا ہو۔ رہی وہ حدیث جس کا کوئی راوی مجروح ہو خواہ وہ جرح خفیف سی کیوں نہ ہو اس کو میرا نفس قبول نہیں کرتا خواہ اس حدیث کو کتنوں ہی نے معتبر مانا ہو۔ کیونکہ میں جرح کو تعدیل پر مقدم رکھتا ہوں، خاص طور سے اس صورت میں جب کہ راوی بدعتی ہو، خواہ وہ اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتا ہو یا نہ دیتا ہو۔ اور اس صورت میں تو اور بھی زیادہ جب کہ راوی شیعی ہو۔

۵) حدیث میں ہے کہ حسن (بصری) نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے جب کہ حسن (بصری) کی ابوہریرہ سے سماعتِ حدیث ثابت نہیں اور نہ خِلاص کی ابوہریرہ سے سماعت ثابت ہے عمدۃ القاری (شرح بخاری) میں یہ صراحت موجود ہے۔

۶) رہی بخاری کی وہ روایت جو ایک دوسرے طریقہ اسناد سے بیان ہوئی ہے تو اس میں ایک راوی عبدالرزاق ہیں جن کے بارے میں ابن معین کہتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہیں اور ان کا تعلق شیعیت سے بتایا گیا ہے۔ انہوں نے اہلِ بیت کے فضائل میں بہت سی حدیثیں بیان کی ہیں جو کسی ثقہ راوی نے نہیں بیان کیں۔

۷) علماء کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی شریعت میں برہنہ نہانا جائز تھا لیکن اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں۔ لوگوں کے سامنے ستر کھولنے کی قباحت تو انسانی طبیعت ہی میں مرکوز ہے۔

۸) کیا معجزہ بغیر نصِ قطعی کے ثابت ہوتا ہے؟

(قصص الانبیاء عبدالوہاب نجاّر ص ۲۸۱ تا ۲۹۱)

عبدالوہاب نجّار کے ان دلائل میں بڑا وزن ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ مذکورہ حدیث کو حدیثِ رسول قرار دیا جائے اور حضرت موسیٰ کی طرف ایک ایسی بات منسوب کی جائے جس سے ان کی ہتکِ عزت ہوتی ہو۔ مگر جو لوگ حدیث کے معاملہ میں تحقیق اور دینی بصیرت سے کام لینے کی راہ کھلی رکھنا نہیں چاہتے وہ ایسے موقع پر انکار حدیث کی پھبتی چست کر دیتے ہیں مگر ہمیں اپنی مدافعت سے زیادہ قرآن اور پیغمبروں کی مدافعت عزیز ہونی چاہئے۔ مزید ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اسناد کے اعتبار سے یہ حدیث ہرگز ایسی نہیں ہے جس کو صحیح کا درجہ دیا جائے۔ عبدالرزاق کے بارے میں میزان الاعتدال (اسماء الرجال کی کتاب جو امام ذہبی کی تالیف ہے) میں محدثین کی متضاد رائیں نقل کی گئی ہیں۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں لیکن معمر سے حدیثیں روایت کرنے میں غلطی کر جاتے ہیں۔

نسائی کہتے ہیں کہ ان سے منکر حدیثیں مروی ہیں اور ابن عدی کہتے ہیں کہ ان کو شیعیت کی طرف منسوب کیا گیا ہے محمد بن عثمان الثقفی البصری کا بیان ہے کہ جب عباس بن عبدالعظیم صنعاء سے عبدالرزاق کے پاس سے واپس آئے تو ہم سے کہا اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ عبدالرزاق کذاب ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں عبدالرزاق نے نبی ﷺ سے یہ حدیث بھی بیان کی ہے کہ تم معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو انہیں قتل کر دو۔ (دیکھئے میزان الاعتدال ج ۲ ص ۶۰۹ تا ۶۱۲) اسی طرح عوف کے بارے میں بھی محدثین کی رائیں مختلف ہیں (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۰۵)

محدثین کی ان صراحتوں کے بعد بھی اگر امام بخاری عبدالرزاق کی روایت کو قابل قبول سمجھتے ہیں تو ضروری نہیں کہ دوسرے بھی ان سے اتفاق کریں۔

آیت کی تفسیر میں البتہ بخاری کی درج ذیل حدیث کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

''نبی ﷺ نے مال تقسیم فرمایا تو ایک شخص نے کہا اس تقسیم میں اللہ کی رضا نہیں چاہی گئی ہے۔ عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اس سے باخبر کیا۔ آپ سخت برہم ہوئے۔ پھر فرمایا اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے۔ انہیں اس سے بھی زیادہ اذیت دی گئی لیکن انہوں نے صبر کیا۔'' (بخاری کتاب احادیث الانبیاء)

نبی ﷺ پر مال کی تقسیم میں ناانصافی کا الزام اس نوعیت کا تھا جس سے آپ کی اخلاقی حیثیت مجروح ہوتی تھی اس لئے اس موقع پر آپ نے حضرت موسیٰ کا جو حوالہ دیا تو اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو ایسی اذیت دی گئی تھی جو آپ کی اخلاقی حیثیت کو مجروح کر دینے والی تھی۔

۱۴۳ ۔ درست بات (قول سدید) کہنے کے مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ کسی کے خلاف الزام تراشی اور تہمت کی باتیں نہ کی جائیں اور یہ بات بھی کہ جو بات کی جائے سرتاسر سچائی پر مبنی ہو۔ نیم صداقت اور گول مول باتیں کرنا جس سے دوسروں کو دھوکا ہو صحیح نہیں ۔۔۔۔۔ جنگ کے موقع پر یا کسی مفسدہ سے بچنے کیلئے آدھا سچ (Half truth) کہنا ایک استثنائی صورت ہے ۔۔۔۔۔۔ اہل ایمان کو چاہیئے کہ وہ جو بات کریں اللہ سے ڈرتے ہوئے کریں اور راست گوئی کو اپنا شعار بنالیں۔ اگر کسی سے وعدہ کریں تو اس کو پورا کرنے کے ارادہ سے کریں۔ خالی وعدے جن کو پورا کرنے کی کوئی فکر نہیں کی جاتی درست بات کہنے کے منافی ہے۔

۱۴۴ ۔ معلوم ہوا کہ جو شخص اپنی زبان کو درست رکھتا ہے اور اپنے قول کا سچا اور پکا ہوتا ہے اس کو اپنے اعمال درست کرنے کی توفیق ملتی ہے گویا راست گفتاری کا ثمرہ عملی زندگی کا درست ہونا ہے۔ اس کے برخلاف جو شخص غیر ذمہ دارانہ باتیں کرتا ہے اور اپنی غلطیوں کو سننے کا روادار نہیں ہوتا وہ اپنے کو اصلاح سے محروم رکھتا ہے۔

۱۴۵ ۔ اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اور رسول کی اطاعت یہ ہے کہ آپ سے جو احکام ثابت ہیں خواہ وہ عبادات سے تعلق رکھتے ہوں یا معاملات سے، انفرادی زندگی سے متعلق ہوں یا اجتماعی زندگی سے ان کی ٹھیک ٹھیک پابندی کی جائے۔

۱۴۶ ۔ یہاں امانت سے مراد وہ اختیارات ہیں جو دیئے تو اس لئے گئے ہیں کہ اللہ کی اطاعت کیلئے استعمال کئے جائیں، لیکن چونکہ یہ اختیارات دے کر انسان کو امتحان گاہ میں کھڑا کر دیا گیا ہے اس لئے اسے یہ آزادی حاصل ہے، کہ وہ ان اختیارات کو چاہے تو اللہ کی اطاعت کیلئے استعمال کرے اور چاہے تو اس کی نافرمانی کے لئے استعمال کرے۔ جو شخص اس کی اطاعت کیلئے استعمال کرے گا وہ اس امتحان میں کامیاب ہوگا اور امانت داری کا ثبوت دینے کی بنا پر بہت بڑے انعام یعنی ابدی فوز و فلاح کا مستحق قرار پائے گا۔ اور جو شخص اس کی نافرمانی کیلئے استعمال کرے گا وہ اس امتحان میں ناکام ٹھہرے گا اور اللہ کی امانت میں خیانت کرنے کی بنا پر بہت بڑی سزا یعنی ابدی خسران و عذاب کا مستحق قرار پائے گا۔

یہ بارِ امانت ایسا گراں تھا کہ آسمان و زمین اور پہاڑ جیسی عظیم مخلوق اسے اٹھانے سے ڈر گئی مگر انسان چونکہ طبعاً اس کو اٹھانے کی پوری اہلیت رکھتا تھا اس لئے اس نے اللہ کی اس پیش کش کو ابدی انعام کی طمع میں قبول کر لیا۔ لہٰذا انسان کی حیثیت دنیا میں امانتی اختیارات رکھنے والی مخلوق کی ہے اور فطری طور پر اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ان اختیارات کو اپنے رب کی مرضی کے مطابق استعمال کرے لیکن انسان نے اس حقیقت کو بھلا دیا ہے۔ چنانچہ انسانوں کی بہت بڑی تعداد اپنے آپ کو خود مختار سمجھتی ہے اور من مانے طریقے پر اپنے اختیارات کا استعمال کر کے اللہ کی امانت میں خیانت کی مرتکب ہو رہی ہے۔ ایسا کر کے وہ اپنے نفس پر بڑا ظلم بھی کر رہے ہیں اور بڑی جہالت کا ثبوت بھی دے رہے ہیں۔

کَانَ ظَلُوْمًا جَهُولاً کو بعض مفسرین نے ''وہ بڑا ظالم اور جاہل تھا'' کے معنی میں لیا ہے اور پھر طرح طرح کی تاویلیں کی ہیں حالانکہ عربی میں کان ''تھا'' ہی کے معنی میں نہیں آتا بلکہ ''ہے'' اور ''واقع ہوا ہے'' کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے کان اللہ غفورا رحیما ''اللہ غفور و رحیم ہے'' اور کان الانسان عَجُولاً ''انسان جلد باز واقع ہوا ہے'' اس لئے یہاں جو معنی موزوں (فٹ) ہوتے ہیں وہ یہی ہیں کہ انسان اس بارِ امانت کو اٹھانے کے بعد ظالم اور جاہل بن گیا ہے۔ ظالم اس اعتبار سے کہ اللہ کی امانت میں خیانت کرتا ہے اور جاہل اس اعتبار سے کہ اپنی ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتا اور انجام سے بے خبر ہو کر اپنے کو آزاد اور خود مختار خیال کرنے لگتا ہے دنیا میں اکثر انسانوں کا حال یہی ہے۔

رہا یہ سوال کہ آسمان و زمین اور پہاڑ جمادات ہیں ان کے سامنے امانت کو پیش کرنے اور ان کے انکار کرنے کا کیا مطلب؟ تو ہمیں اپنے محدود دائرہ علم میں رہ کر اس کے معنی متعین نہیں کرنا چاہئے اور نہ اس کو مجاز پر محمول کرنا چاہئے بلکہ اس کو اسی طرح حقیقتِ واقعہ سمجھنا چاہئے جس طرح قرآن میں اُسے پیش کیا گیا ہے۔ اللہ اپنی کسی بھی مخلوق سے خواہ وہ جمادات ہی سے کیوں نہ ہو بات کر سکتا ہے اور وہ اس کی بات کو سن سکتی ہے۔ قرآن صراحت کرتا ہے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کی تسبیح و تحمید کرتی ہے مگر انسان اس کو سمجھ نہیں پاتا۔ آیت سے یہ بات بھی نکلتی ہے اگر آسمان و زمین اور پہاڑ اس امانت کو قبول کرنے کیلئے تیار ہوتے تو انہیں ان کے مناسب حال اختیارات دے کر آزمائش میں ڈالا جاتا مگر وہ اس کے تصور ہی سے کانپ اٹھے۔ ان کا انکار بھی اس معنی میں نہیں تھا کہ اللہ نے ان کو اس کے اٹھانے کا حکم دیا تھا اور انہوں نے انکار کیا بلکہ اس معنی میں تھا کہ ان کو امانت قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار (Choice) دیا گیا تو وہ اس کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔

۱۴۷ ۔ یعنی اس امانت میں خیانت کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس جرم کے مرتکبین سزا پائیں۔ منافق (اپنے کفر کو چھپا کر اپنے کو مسلمان کہلانے والے) اور وہ مشرک خواہ وہ مرد ہوں یا عورت سب سے بڑے خائن ہیں اس لئے وہ اپنے اس جرم کی سزا بھگت کر رہیں گے۔

۱۴۸ ۔ یعنی جو امانت داری کا ثبوت دیں گے وہ اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پائیں گے اور امانت داری کا ثبوت دینے والے سچے مؤمن ہی ہو سکتے ہیں خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ انہوں نے جب ان اختیارات کو اللہ کی امانت سمجھ کر استعمال کیا ہوگا تو جو قصور ان سے سرزد ہو گئے ہوں گے ان کے بارے میں اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اس میں اہلِ ایمان کیلئے ترغیب ہے اس بات کی کہ وہ اپنے قصوروں پر نظر رکھیں اور اللہ کے حضور توبہ کرتے رہیں۔